

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمَسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِي اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ (فاتحہ)
(ہم کو سیدھا راستہ چلا راستہ اُن لوگوں کا جن پر تو نے احسان کیا)

مشکوٰۃ المصاب

مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

لم۔ پلے، ہٹی۔ ایچ۔ ڈی

محمد عبدالستار طاہر

۲/۴، ۵-۱، ناظم آباد، کراچی (سندھ)
اسلامی جمہوریہ پاکستان

ادارہ مسعودی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ (فاتحہ) (۵-۶)
(ہم کو سیدھا راستہ چلا راستہ اُن لوگوں کا جن پر تو نے احسان کیا)

خوشید جمال تاب

(مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ)

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

مرتب

محمد عبدالستار طاہر

ادارہ مسعودیہ کراچی

۶۲، ۵۱-ا، ناظم آباد کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

عنوان خورشیدِ جہاں تاب
مصنف پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی)
مرتب محمد عبدالستار طاہر مسعودی
طابع حاجی محمد الیاس مسعودی
مطبع برکت پریس، کراچی
کمپوزنگ الحجاز کمپوزرز، اسلام پورہ، لاہور # ۷۲۲۵۹۲۲
نظر ثانی اقبال احمد اختر القادری
سن اشاعت ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء
صفحات ۱۳۶
تعداد ایک ہزار
ناشر ادارہ مسعودیہ، کراچی
ہدیہ

ملنے کے پتے

- ۱۔ ادارہ مسعودیہ: ۵، ۶/۲۔ ای ناظم آباد، کراچی۔ فون 6614747
- ۲۔ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز۔: ضیاء منزل (شوگن مینشن)
- محمد بن قاسم روڈ آف ایم، اے، جناح روڈ، عید گاہ کراچی فون نمبر 2633819-2213973
- ۳۔ فرید بک اسٹال: 38۔ اردو بازار، لاہور، فون: 042-7224899-7312173
- ۴۔ ضیاء القرآن: 4۔ انفال سینٹر، اردو بازار، کراچی فون: 2630411-2210212
- ۵۔ مکتبہ خوشیہ: پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، پولیس چوکی محلہ فرقان آباد، کراچی نمبر ۵
فون: 4910584-4926110
- ۶۔ مکتبہ الجامعہ تشبندیہ بستان العلوم: کڈہالہ (مجاہدہ آباد)، براستہ گجرات، آزاد کشمیر

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۶	عرض مرتب — محمد عبدالستار طاہر مسعودی	۱
۱۲	حرف آغاز — پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۲
۱۹	ماہ و سال حیات مفتی اعظم — محمد عبدالستار طاہر مسعودی	۳
۲۷	ابتدائیہ — پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۴
۲۹	جلوے — پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۵
۳۲	آباء و اجداد	۶
۳۳	والد ماجد	۷
۳۳	ولادت و تربیت	۸
۳۴	کفالت	۹
۳۵	تعلیم و تعلم	۱۰
۳۶	فتویٰ نویسی	۱۱
۳۸	بیعت و ارشاد	۱۲
۴۲	وسعت مطالعہ	۱۳
۴۳	سلسلہ درس و تدریس	۱۴
۴۴	امامت و خطابت	۱۵
۴۸	وعظ و نصیحت	۱۶
۴۸	محامد و محاسن	۱۷
۵۱	مرجعیت	۱۸
۵۷	عشق نبوی ﷺ	۱۹
۶۰	دہلی میں بانی محفل عید میلاد ﷺ	۲۰

۶۷	فنائیت	۲۱
۶۹	لٹہیت	۲۲
۷۱	دیگر اوصاف حمیدہ	۲۳
۷۲	استغناء و بے نیازی	۲۴
۷۳	عجز و انکساری	۲۵
۷۴	صلہ رحمی	۲۶
۷۶	میانہ روی	۲۷
۷۹	مسلك مفتی اعظم	۲۸
۸۳	سخن وری	۲۹
۸۴	حمیت و عزیمت	۳۰
۹۸	سیاست	۳۱
۱۰۶	حج بیت اللہ شریف اور زیارت حرمین طیبین	۳۲
۱۰۹	پاکستان آمد	۳۳
۱۱۱	رحلت	۳۴
۱۱۷	اولادِ امجاد	۳۵
۱۲۱	خلفاء و سفراء	۳۶
۱۲۴	تصانیف و تالیف	۳۷
۱۲۸	اختتامیہ	۳۸
۱۳۰	خلاصہ کلام	۳۹
۱۳۱	مناقب	۴۰
۱۳۵	ماخذ و مراجع	۴۱
۱۳۶	کتابیات	۴۲
۱۳۶	● کتب	
	● اخبارات و رسائل	
	● دیگر مکتوبات	
	● مکتوبات مظہری	
۱۳۷، ۱۳۸		



کا الشمس ینجاب عن اشراقها الظلم
فما یکلم إلا حین یتبسم
یزینه اثنان حسن الخلق والشمم
طابت عناصره والخیم والشیم
تستو کفان ولا یعروهما العدم
کفرو قربهم منجی ومعتصم

یبین نور الدجی عن نور طلعتہ
یغضی حیا و یغنی مہابة
سهل اخلیقة لا یخفی بوادره
مشتقة عن رسول اللہ بنعتہ
کلتایدیہ غیاث عمّانفعهما
من معشر حبهم دین و بغضهم

①

”ان کی پیشانی کی چمک سے ظلمتیں دور ہوتی ہیں، جس طرح طلوع آفتاب سے اندھیریاں چھٹ جاتی ہیں۔“

②

”شرم و حیا کی وجہ سے آنکھیں نیچی رکھتے ہیں اور ان کی ہیبت سے لوگوں کی آنکھیں جھکی رہتی ہیں۔ ہاں ان سے اس وقت بات کرتے ہیں جب مسکرا رہے ہوں۔“

③

”وہ نرم خو ہیں، ان کی خصلتیں پوشیدہ نہیں ہیں، دو خوبیوں خوش خلقی و خوش مزاجی نے ان کو زینت بخشی ہے۔“

④

”ان کی صفات، صفات رسول اللہ کی آئینہ دار ہیں۔ ان کے عناصر، عادتیں، خصلتیں بہت ہی خوب ہیں۔“

⑤

”موسلا دھار بارش کی طرح دونوں ہاتھ فیض رساں ہیں۔ مال ہو یا نہ ہو، وہ بخشش کرتے رہتے ہیں۔“

⑥

”وہ اس (مقدس) گروہ کے (فرد فرید) ہیں، جن کی محبت دین ہے اور بغض کفر۔ ان کا قرب نجات دینے والا اور پناہ دینے والا ہے۔“

شمس علی قطب الکمال مزیئته

بدر علی فلک العلی سیرانه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض مرتب

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کی ہمہ گیر شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کی ذات اکناف عالم میں جانی پہچانی ہے۔ وہ ہر خاص و عام میں یکساں مقبول تھے۔ ان کا ہر ملنے والا یہی خیال کرتا کہ قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی ساری توجہ اور محبت اسی کے لیے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی صاحب کے وصال پر ملال پر ہر آنکھ اشکبار تھی، ہر دل فگار تھا، فضا سو گوار تھی، ہر شخص غم دار تھا۔ ہر کوئی یہی سمجھ رہا تھا کہ چلچلاتی دھوپ میں اس کے سر پر جو سائبان سایہ فلگن تھا، وہ جدا ہو گیا۔ لیکن پھر اس خیال سے ڈھارس ہوئی کہ جس طرح حیات ظاہری میں قبلہ مفتی صاحب دستگیری فرماتے تھے، پردہ فرمانے کے بعد بھی اسی طرح دستگیری فرمائیں گے۔ ان کے معتقدین و پسماندگان نے اکثر و بیشتر اہل اللہ کے حیات بعد ممات کے تصرف کے مظاہر دیکھے۔ یوں قبلہ مفتی صاحب کا فراق بھی ان کے لیے وصال بن گیا۔ چشم فلک نے ایسے بھی نظارہ دیکھے۔ سبحان اللہ!

قبلہ مفتی صاحب کی اولاد میں اس وقت حضرت مسعود ملت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ حیات ہیں۔ قبلہ حضرت مسعود ملت نے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی علمی میراث کو سمیٹنے اور محفوظ کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ ان کی علمی یادگاروں کو از سر نو مرتب کر کے قارئین کو پہنچایا۔ جن میں قبلہ مفتی صاحب کے فتاویٰ، مکاتیب، مواعظ و مقالات شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے گاہے بگاہے قبلہ مفتی صاحب کے حالات زندگی بھی سینہ قرطاس کی زینت بنائے۔ آپ نے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی سیرت پر ۱۹۶۶ء میں قلم

۱۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی یاد میں ”ادارہ مظہر اسلام، لاہور“ ۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ / ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء میں قائم ہوا۔ اس ادارہ نے قبلہ مفتی صاحب کے جو مقالات شائع کیے ہیں، انہیں دیکھ کر بہت سے لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ ایسے دقیق مسائل اتنے آسان فہم انداز اور استدلال سے پیش کیے گئے ہیں، ادارہ مظہر اسلام، لاہور کو یہ خزانہ کہاں سے دستیاب ہو گیا!

ادارے کا خیال ہے کہ یہ سب حیات بعد ممات اہل اللہ کا تصرف ہے کہ ان رسائل کے منظر عام پر آنے کا ایک وقت مقرر تھا۔ دست قدرت نے غیب سے اس کے ظہور کے اسباب بھی پیدا کر دیئے۔ فالحمد لله علی ذلک!

اٹھایا، اور ان کی زندگی کو ہر بار نئے انداز سے پیش کیا۔ ہر مقالہ میں اس بات کو پیش نظر رکھا کہ قبلہ مفتی صاحب کے حالات بیان کرتے وقت نئی نئی معلومات پیش کی جائیں۔ جیسا کہ اس بات کا متعدد مقالات میں ذکر فرمایا ہے:

”۱۹۶۶ء سے راقم الحروف محمد مسعود احمد عفی عنہ، حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے حالات مبارکہ لکھ رہا ہے۔ یہ حالات مضامین کی شکل میں مختلف رسائل میں شائع ہوئے اور حضرت مفتی اعظم کی تصانیف میں شامل کیے گئے۔ دو مستقل سوانح بھی شائع ہو چکی ہیں، یعنی

— تذکرہ مظہر مسعود، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

— حیات مظہری، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۴ء

لیکن راقم نے یہ اہتمام رکھا کہ ہر سوانح میں کچھ نہ کچھ نئے حالات ضرور شامل ہوں۔ کیونکہ ایک ہی بات کو بار بار پیش کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ پیش نظر مقالے میں بھی بہت سی نئی معلومات ہیں جو اس سے قبل کسی سوانح میں شامل نہیں۔“

اسی طرح آپ نے ایک اور جگہ اس بارے میں لکھا ہے:

”راقم الحروف نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مجمل حالات زندگی اور علمی

کارنامے حضرت علیہ الرحمہ کی متعدد تصانیف میں شامل کر دیئے ہیں مثلاً:

① مظہر اخلاق ② ارکانِ دین ③ مکاتیب مظہری

④ مواعظ مظہری اور ⑤ فتاویٰ مظہری

لیکن سب سے زیادہ تفصیلی حالات راقم کی تالیف ”تذکرہ مظہر مسعود“ میں ہیں جو

۵۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ افادیت عامہ کے پیش نظر حضرت علیہ الرحمہ کے حالات زندگی اور

علمی کارنامے ”حیات مظہری“ کے نام سے پیش کیے جا رہے ہیں۔ اس میں بہت سی باتیں ایسی بھی

ہیں جو اس سے پہلے شائع نہ ہو سکیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے، حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ

کی سیرت مبارکہ کے مختلف پہلو سامنے آتے جا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ

کی زندگی کے بہت سے پہلو ہنوز تشنہ تحقیق ہیں۔ وہ علم و عمل کے بحر بیکراں تھے۔“

حضرت مسعود ملت نے اس تنوع کا ذکر ایک اور مقالہ میں کیا ہے:

”حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے حالات و خدمات پر راقم الحروف ۱۹۶۶ء سے برابر

لکھ رہا ہے۔ اب تک کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں مثلاً:

① تذکرہ مظہر مسعود

② مکاتیب مظہری

③ مواظظ مظہری

④ حیات مظہری وغیرہ وغیرہ

جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے نئے نئے حالات و واقعات سامنے آتے جاتے ہیں۔ مفتی اعظم کی دینی، علمی اور سیاسی خدمات کا سلسلہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اتنے طویل عرصے کو اتنی جلدی سمیٹ لینا آسان نہیں۔ خصوصاً جب کہ حالات و واقعات جمع کرنے کا مفتی اعظم کی زندگی میں کوئی اہتمام نہیں کیا گیا اور نہ اس قسم کا کوئی ریکارڈ موجود ہے جس سے مطلوبہ حالات مل جائیں۔ بے شک جن حضرات نے اخلاص فکر کے ساتھ کام کیا ہے، ان کی سیرتیں اسی طرح چھپی رہتی ہیں۔ مگر زمانہ ان کو چھپنے نہیں دیتا اور ابھار کر رہتا ہے۔

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے

انہی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

مفتی اعظم کے حالات زندگی کے مختلف پہلو سامنے آچکے ہیں۔ اس مقالے میں

صرف ان واقعات و حالات کو بیان کیا جائے گا جو اب تک منظر عام پر نہ آسکے۔“

مفتی اعظم کے حالات زندگی کے مختلف پہلو سامنے آچکے ہیں۔ اس سلسلے میں راقم

مندرجہ ذیل کرم فرماؤں کا ممنون ہے:

② مولانا تاج محمد قادری، پشاور

① مولانا مفتی محمد مکرم احمد، دہلی

④ مولانا محمد منشاء تابش قصوری، مرید کے

③ مولانا محمد احمد قریشی، لاہور

۱۔ حیات مظہری، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۷۴ء، ص ۸

۲۔ مقالہ ”مفتی اعظم“ ماہنامہ ترجمان اہل سنت، کراچی، شمارہ ۶، ۱۹۷۶ء

- ۵ سید مسعود حسن شہاب، بہاولپور
 ۶ پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف، بہاولپور
 ۷ حکیم محمد سلیم جان مجددی سرہندی، ماتلی
 ۸ میاں محمد صادق قصوری، برج کلاں قصور
 ۹ محمد ظہور الدین خاں، لاہور
 ۱۰ پروفیسر ڈاکٹر سید نظیر حسین زیدی، کراچی
 ۱۱ حافظ محمد اظہر احمد، کراچی
 ۱۲ سید نور محمد قادری، چک شمالی گجرات

۱۹۹۷ء میں محررہ ایک مقالہ ”مفتی اعظم“ میں رقمطراز ہیں:

”مفتی اعظم کے حالات زندگی اور دینی خدمات پر کئی کتابیں اور مقالات شائع

ہو چکے ہیں۔ مثلاً:

۱ تذکرہ مظہر مسعود ۲ حیاتِ مظہری ۳ آفتابِ ولایت وغیرہ

پروفیسر معراج الدین قریشی، حیدرآباد سندھ اور محمد عبدالستار طاہر، لاہور نے ”اشاریہ مفتی اعظم“ مرتب کیا ہے۔

ایک مقام پر رقمطراز ہیں:

”راقم نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حیات اور خدمات پر لکھنے کا آغاز ۱۹۶۰ء سے کیا۔ گزشتہ تقریباً ۴۲ سال سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی متعدد سوانح اور تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ مولانا جاوید اقبال مظہری، جناب حاجی محمد الیاس، ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری، الحاج محمد یونس باڑی وغیرہ نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔“

زیر نظر کتاب کی اشاعت سے پہلے محترم بزرگوارم حاجی شیخ محمد یونس باڑی مظہری صاحب کی مرتب کردہ سیرت ”انوار مظہریہ“ شائع ہوگئی۔ اس کی تقدیم سے ممکنہ اضافات کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں ایک جگہ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

”حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی ہی میں ۱۹۶۴ء میں راقم نے سوانح لکھنے کا

ارادہ ظاہر کیا، اور آپ سے حالات دریافت کیے تو آپ نے ازراہ انکسار منع فرما دیا

لیکن دعاؤں سے نوازا۔ پھر تائید الہی سے راقم نے ایک ضخیم سوانح ”تذکرہ مظہر مسعود“

(مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء) قلم بند کی۔

اس زمانے میں علماء اہل سنت و جماعت کے حالات پر کوئی قابل ذکر کتاب مارکیٹ میں نہیں آئی تھی، اس لیے ان کا خاطر خواہ ذکر نہ ہو سکا، جس کا قلق ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور باتیں ہیں جو جدید ماحول کے اثرات کے تحت لکھ دی گئیں۔ انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں ساری کمی پوری کر دی جائے گی۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے حالات اخبارات و رسائل میں ملتے گئے اور مجبین و مریدین سے معلوم ہوتے گئے۔ ان کو آئندہ شائع ہونے والی کتابوں میں شائع کرتا گیا۔ مثلاً:

① — تجلیات مظہری — مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

② — مواعظ مظہری — مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

③ — حیات مظہری — مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء

④ — فتاویٰ مظہری — مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء

⑤ — فتاویٰ مسعودی — مطبوعہ کراچی ۱۹۸۷ء

⑥ — شیخ الاسلام — مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

⑦ — مکاتیب مظہری — جلد اول۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء

⑧ — حیات فقیہ الہند — مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء

راقم کے علاوہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مرید خاص مولانا جاوید اقبال مظہری نے لکھنا شروع کیا تو وہ بھی لکھتے چلے گئے۔ ان کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

① — ملفوظات مظہری — مطبوعہ کراچی ② — خلق مظہری — مطبوعہ کراچی

③ — آفتاب ہدایت — مطبوعہ کراچی ④ — مناقب مظہری — مطبوعہ کراچی

⑤ — عارف کامل — مطبوعہ کراچی ⑥ — منظر جمال مصطفیٰ — مطبوعہ کراچی۔ اے

قبل ازیں احقر کا ان متنوع مقالات کا مجموعہ پیش کرنے کا ارادہ تھا۔ اس کا مقصد وحید

یہی تھا کہ حضرت مسعود ملت نے ۱۹۶۶ء تا ۱۹۹۶ء قبلہ مفتی صاحب کے جو گونا گوں حالات بیان

کیے ہیں، قاری کو یکجا مل سکیں۔ قبلہ مفتی صاحب کے متوسلین اور ان پر ریسرچ کرنے والوں کو قبلہ

مفتی صاحب کے بارے میں بنیادی مآخذ میسر آسکے۔ وہ حیات مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

کے ان پہلوؤں پر لکھ سکیں، جن پر تاحال کام کرنا باقی ہے۔ اس ضمن میں احقر کی

۱۔ تقدیم "انوار مظہریہ" ص ۳۳، ۳۴، مطبوعہ کراچی ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء

تجویز ہے کہ قبلہ مفتی صاحب کے حوالے سے ایم۔ فل اور ڈاکٹریٹ کے لیے مقالات لکھے جائیں۔

۱۹۹۸ء میں قبلہ ڈاکٹر صاحب لاہور تشریف لائے تو ۲۰ فروری کو برادر مملکت لیاقت علی مسعودی مرحوم و مغفور کی رہائش گاہ میسن روڈ پر شرف نیاز حاصل ہوا۔ احقر نے اس مجموعہ کے لیے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا:

”بجائے یکجا کرنے کے ان سب کو ایڈٹ کر لیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ کوئی بات Repeat نہ ہو۔۔۔ جس مقالہ میں جوئی بات ہے وہی شامل کریں۔۔۔ یوں ٹھیک رہے گا۔“

احقر نے انہیں حسب الارشاد مرتب کر لیا۔۔۔ مشیت ایزدی سے اس کی تہیض کا کام ماہ مبارک ربیع الاول شریف ۱۴۲۳ھ میں ہوا۔ فالحمد لله علی ذلک!

سرکارِ دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت کے ماہ مبارک میں ایک عاشقِ رسول کی سوانح کا تکمیل پانا بھی ایک سعادت سے کم نہیں اور سنا ہے کہ اہل اللہ کے اذکار و تذکار سے گناہ جھڑتے ہیں۔۔۔ اللہ کریم اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے وسیلہ جلیلہ سے اور اپنے اس ولی کامل کے تصدق ہم گناہگاروں کے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف فرمائے۔ آمین!

مولیٰ پاک کے حضور سراپا سپاس ہیں کہ وہ اپنے پیاروں کے طفیل سلسلہ مظہریہ کے سرخیل و بانی ہمارے مدوح قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی کرم فرمائی اور مر بیانِ مفتی اعظم علیہم الرحمہ کی عنایات دین و دنیا میں ہر آن ہماری دستگیر ہوں۔ آمین!

خاکپائے صاحبِ دلاں

محمد عبدالستار طاہر

E-III/A۔ پیر کالونی، والٹن

لاہور کینٹ

۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

۱۹ مئی ۲۰۰۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

حرفِ آغاز

سیرت و کردار کی اہمیت کا کسی کو اندازہ تھا۔ اسلام نے اس طرف متوجہ کیا اور یہ بتایا کہ سیرت ایک عظیم حقیقت ہے: ”اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ لیکن انسان دولت کا پرستار ہے۔ وہ اسی کو عظیم سمجھتا رہا، اور عقل پرستی کے اس دور میں بھی یہی سمجھ رہا ہے۔ حالانکہ یہ بات عقل سے بہت دور ہے۔۔۔ دولت حسن تاثیر سے خالی ہے، اسی لیے دنیا میں کسی انسان نے محض دولت کے سہارے دلوں میں جگہ نہ کی بلکہ اس کے برعکس غریبی و مسکینی میں محبوبانِ خدا نے وہ بات پیدا کر لی کہ دیکھ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے:

ظاہر میں غریب الغریبا، پھر بھی یہ عالم

شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ

یہ بلند و بالا محل، یہ اونچی اونچی گریساں، یہ بڑی بڑی ڈگریاں، یہ لمبی لمبی کاریں، یہ معمور خزانے۔۔۔ ذرا ایک لمحہ کے لیے غور کیجئے، یہ سب نہ ہوں تو پھر ہم کچھ بھی تو نہیں، کوئی ہمارا پرسانِ حال نہ ہو۔۔۔ اور ہاں! وہ اہل اللہ جن کے پاس کوئی چیز نہیں پھر بھی وہ سب کچھ ہیں۔ ہماری عظمت ہم سے باہر معلق ہے اور ان کی عظمت ان کے ساتھ وابستہ ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کو خاک میں ملا سکے۔

بعض لوگ علم و دانش کو سیرت و کردار سے افضل سمجھتے ہیں۔ یقیناً علم افضل ہے لیکن اس کا مقصود معرفتِ نفس ہے یا معراجِ انسانیت ہے تو پھر علم مقصود بالذات نہ ہو۔ مقصودِ حقیقی انسان کی اپنی سیرت ہے۔۔۔ علم کے ذریعہ اسی کو بنانا اور سنوارنا ہے، سیرت کامل ہزار علم و دانش سے بہتر ہے۔

صاحب سیرت انسان کا وجود اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اس کے ہوتے افکار عالیہ کے مفید اور قابل عمل ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ بے شک عظیم نظریات کے لیے عظیم سیرتوں کی ضرورت ہے اور اس عظیم سیرت کی صحبت اکسیر اعظم ہے۔

ہاں خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانہ دل

حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ایک سیرت کاملہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی نے تو بلند یوں تک پہنچایا تھا۔ انہوں نے کسی مکتب و مدرسے میں نہیں پڑھا تھا، صرف صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آسمان تک پہنچا دیا تھا۔ بس صالحین اور کاملین سے منہ نہ موڑنا چاہیے کہ یہ خود زندگی سے منہ موڑنا ہے۔ جو لوگ حضرات اہل اللہ کو بے فیض سمجھ کر خود آگے بڑھنا چاہتے ہیں وہ اس نادان طالب علم کی مانند ہیں جو استاد سے منہ موڑ کر ذاتی مطالعہ سے اعلیٰ مدارج حاصل کرنا چاہتا ہے۔

دنیا میں بڑے بڑے مفکر و معلم گزرے ہیں جنہوں نے افکار آبدار پیش کیے ہیں، لیکن وہ افکار بے جان رہے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ ان افکار کے پیچھے کوئی تاب دار سیرت نہ تھی۔ اسلام کا یہی اعجاز ہے کہ اس نے افکار عالیہ کے ساتھ ساتھ عالی سیرتوں کا ایک سلسلہ فراہم کیا جو چودہ سو برس سے اب تک جاری ہے۔ یہ سلسلہ الذہب، سوائے دین فطرت اسلام کے کہیں اور نظر نہیں آتا۔ اسلام کی حقانیت کی یہ بھی ایک عظیم دلیل ہے۔

ذرا غور کیجئے! اگر صرف علم و دانش انسان کے لیے کافی ہوتے، تو پھر ہمارا دور کاملین کا دور ہوتا۔ لیکن یہ کیا بات ہے کہ بیسیوں علوم و فنون کے دریافت ہونے اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کتابوں کے لکھنے جانے کے باوجود وہ بات پیدا نہ ہو سکی جو صرف صاحب قرآن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کر دی تھی۔ ع

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

بعض لوگ عبادات و ریاضیات اور مجاہدات کو سیرت سے افضل سمجھتے ہیں اور اسی کو مقصود بالذات جانتے ہیں، اسی لیے تعمیر سیرت سے بے خبر دن رات اسی میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ خدا تو بے نیاز ہے۔ اس کو ہماری عبادات و وظائف کی ضرورت نہیں، ضرورت ہمیں کو ہے۔ ریاضات و عبادات کا مقصود حقیقی تعمیر سیرت ہی ہے۔ نافرمانی کی سزا اس لیے دی جاتی ہے کہ ہم نے تمہارے نفع کے لیے جو گر بتائے تھے، تم نے اس پر عمل کیوں نہ کیا؟ — اس سزا میں کیسی رحمت و شفقت ہے! — حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا نادانی ہوگی کہ انسان خود اپنے حقیقت منافع سے بے خبر ہو جائے۔

انسان جسم و روح سے مرکب ہے، اس لیے اس کو دوہری تعلیم (Double Education) اور دوہری معیشت (Double Economy) کی ضرورت ہے۔ اگر روح نہ ہوتی، صرف جسم ہوتا تو پھر ایک ہی قسم کی تعلیم اور ایک ہی قسم کی معیشت کافی تھی۔ علوم ظاہری درس و تدریس سے حاصل ہوتے ہیں، لیکن علوم باطن کا تعلق روح سے ہے، جو صحبت سے حاصل ہوتے ہیں۔ — علوم سائنس کا عالم سائنس داں ہو سکتا ہے لیکن علوم شریعت و طریقت کا عالم، عارف نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے عمل شرط ہے اور عمل ہی کا دوسرا نام سیرت ہے۔ علوم باطن کے لیے ایسی سیرتوں کی ضرورت ہے جن میں یہ علوم جیتے جاگتے نظر آئیں۔ ایسا صاحب سیرت مردِ کامل ایک عظیم قوت ہے جو اپنے ماحول اور اپنے عہد پر اثر انداز

ہوتا ہے۔ ع

ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

اس کا وجود نوع انسانی کے لیے ایک سہارا ہے، وہ ایک خاموش معلم ہے، اس کے اخلاق فاضلہ بن دیکھے اپنا اثر دکھاتے ہیں۔ یہ بات کہیں اور نہیں مل سکتی۔

عالم اسباب میں وسائل کی ضرورت ہے۔ بغیر وسائل مقصد تک پہنچنا مشکل ہے۔ یہ

صحیح ہے کہ خدا نے فرمایا ہے: ”مجھ سے مانگو، میں تمہیں دوں گا۔“

مگر جب ہم کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ کہو:

”ہم کو ان لوگوں کی راہ دکھا جن پر تو نے انعام فرمایا۔۔۔ نہ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا

غضب نازل ہوا۔“

تو دراصل مانگنے کا سلیقہ بتایا جا رہا ہے، اور اہل اللہ کے دامن سے وابستہ کیا جا رہا ہے۔ اب جب

مانگنے والا ان برگزیدہ بندوں سے روگردانی کرے گا تو وہ اپنے خدا سے روگردانی کرے گا، کیونکہ

خدا ہی نے اپنے محبوب بندوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”ہم نے آدم کو سارے نام سکھا دیئے۔“

نیز فرماتا ہے:

”انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔“

اور فرماتا ہے:

”انسان کو قلم کے ذریعہ وہ کچھ سکھا دیا جو وہ نہ جانتا تھا۔“

تو اب چاہیے کہ نہ پڑھیں، نہ لکھیں اور نہ بولنا سیکھیں کہ سب کچھ دیا گیا ہے۔ لیکن

نہیں، اس کے باوجود طلب علم کی ہدایت کی گئی ہے۔۔۔ تو جب جو کچھ دیا جا چکا ہے، اس کے

حصول کے لیے وسائل کی ضرورت ہے، تو جو کچھ ابھی مانگا بھی نہ گیا اور ملا بھی نہیں، اس کے لیے

وسائل کی بدرجہ اتم ضرورت ہوگی، اسی لیے فرمایا:

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم

اولیاء اللہ کی صحبت میں، بہت کچھ ملتا ہے۔ وہ لٹاتے ہیں، اہل دنیا کی طرح سمیٹتے نہیں،

وہ زمین سے اٹھاتے ہیں اور آسمان تک لے جاتے ہیں۔ خیال کی دنیا بدل دیتے ہیں۔ فکر و خیال

کے نئے نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔ نیا انداز فکر عطا کرتے ہیں اور پھر منافع، خسارے

نظر آنے لگتے ہیں۔ بہار، خزاں نظر آنے لگتی ہے اور خزاں، بہار!۔۔۔ روشنیاں، تاریکیوں

میں بدل جاتی ہیں اور تاریکیاں روشنیوں میں — اس انقلابِ فکر و خیال کے ساتھ وہ ایک نئے عالم میں لے جاتے ہیں، جہاں کے زمان و مکاں اور ہی ہیں۔

۵ دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر

نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر



حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سامنے نہیں جو ہم فیضِ نظر سے مستفیض ہو سکیں۔ اب فیضِ صحبت کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہم آپ کے حالاتِ زندگی، مکتوبات، ملفوظات اور مواعظ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ اس طرح جو کچھ حاصل کیا ہے اس کو بھی محفوظ رکھ سکیں گے اور اس کے علاوہ بہت کچھ حاصل ہوگا — سادگی، حق گوئی اور بے باکی، ایثار و قربانی، خلوص و لٹہیت، ہمدردی و غم خواری، صبر و استقلال، استغناء و بے نیازی، خوف و خشیتِ الہی — غرض وہ کیا چیز ہے جو حاصل نہیں ہو سکتی۔

قوم روشن از سواد سرگزشت خود شناس آمد زیاد سرگزشت

سرگزشت او چو از یادش رود باز اندر نیستی گم می شود

ضبط کن تاریخ را ، پائیدہ شو

از نفس ہائے رمیدہ ، زندہ شو

ان کی آنکھیں دیکھتی ہیں، ان کی زبان دیکھتی، ان کے کان دیکھتے ہیں، ان کے پیر

دیکھتے ہیں، ان کے خیال دیکھتے ہیں، ان کے احوال دیکھتے ہیں —

○ — جب ہی تو وہی دیکھتے ہیں جس کو دیکھنے کا حکم ہے،

○ — وہی بولتے ہیں جس کے بولنے کا حکم ہے،

○ — وہی سنتے ہیں جس کے سننے کا حکم ہے،

○ — وہی چھوتے ہیں جس کے چھونے کی اجازت ہے،

- — وہی سوچتے ہیں، جس کے سوچنے کی اجازت ہے،
- — ان ہی واردات سے گزرتے ہیں جن واردات سے گزارا جاتا ہے،
- — ان ہی فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں، جن فضاؤں میں پرواز کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

ان کے ظاہری اور باطنی احوال اور اقوال اور اعمال شریعت کے تابع ہیں۔ وہ سراپا آنکھ ہی آنکھ ہیں۔ وہ روشنی ہی روشنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ذرا سرتابی نہیں کرتے۔ ہماری آنکھ بھی آنکھ نہیں۔ جب آنکھ کا یہ حال ہے تو ہاتھ پیر اور خیال و افعال کا کیا حال ہوگا۔ اسی لیے فرمایا:

وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ "اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"

تم نے بننا سنورنا ہے تو سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

- — یہ تم کو بنا دیں گے،
 - — یہ تم کو سنوار دیں گے،
 - — یہ تم کو زندگی کے لطف سے آشنا کر دیں گے،
 - — یہ بدمز از زندگی کو لطیف و لذیذ بنا دیں گے،
 - — یہ زندگی کا راز بتا دیں گے کہ محرم راز ہیں،
- آؤ آؤ زندگی کے پاس بیٹھو، موت کی طرف جانے والو! زندگی کی طرف لوٹو۔

ان ہی سچوں میں، ان ہی زندگی بنانے والوں میں، ان ہی زندگی سنوارنے والوں میں، فاضل جلیل، عارف کامل، حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) شاہی امام مسجد جامع فتح پوری دہلی بھی تھے، وہ میرے والد ماجد تھے۔ وہ میرے استاد گرامی تھے، وہ میرے مرشد کریم تھے۔ انہوں نے:

- — میرے جسم کی پرورش کی،
- — میرے دماغ کی پرورش کی،

○ — میرے دل کو سنوارا،

○ — میری روح کو نکھارا،

وہ ایسے مخلص باپ تھے جنہوں نے بیٹوں سے کچھ نہ چاہا — ایسے مشفق استاد تھے، شاگردوں سے کچھ نہ چاہا — ایسے مہربان مرشد تھے کہ مریدوں سے کچھ نہ چاہا۔ وہ جانتے تھے کہ باپ وہ ہے جو بیٹوں کو دے، استاد وہ ہے جو شاگردوں کو عطا کرے، مرشد وہ ہے جو مریدوں کو نوازے۔

راقم الحروف نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مجمل حالاتِ زندگی اور علمی کارنامے

حضرت علیہ الرحمہ کی متعدد تصانیف میں شامل کر دیئے ہیں۔ مثلاً:

① مظہر الاخلاق ② ارکانِ دین ③ مکاتیبِ مظہری

④ مواظظِ مظہری ⑤ فتاویٰ مظہری

لیکن سب سے زیادہ تفصیلی حالاتِ راقم کی تالیف ”تذکرہ مظہر مسعود“ میں ہیں جو ۵۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کے مختلف پہلو سامنے آتے جا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی کے بہت سے پہلو ہنوز تشنہ تحقیق ہیں۔ وہ علم و عمل کے بحر بیکراں تھے۔

حضرت کی سوانح پر بعض حضرات نے کام کیا ہے، بعض کام کر رہے ہیں، اور بعض حضرات کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں — مولیٰ تعالیٰ ان حضرات کو کامیابی عطا فرمائے اور ان کے مشاہدات و تاثرات سے قارئین کرام مستفیض ہوں۔ آمین!

احقر

محمد مسعود احمد عفی عنہ

گورنمنٹ کالج ٹنڈو محمد خاں، سندھ

۲۲ ذیقعد ۱۳۹۲ھ

۱۹ نومبر ۱۹۷۳ء

۱۔ انوار مظہریہ، ص ۲۹، ۳۰

نوٹ: یہ حرف آغاز ”حیاتِ مظہری“ مطبوعہ ۱۹۷۳ء مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی کے لیے رقم فرمایا گیا تھا — طاہر

ماہ و سال < حیات مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

نمبر شمار	واقعات	تاریخ
۱	ولادت باسعادت حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ، دہلی	۱۵ رجب المرجب ۱۳۰۳ھ / ۲۱ اپریل ۱۸۸۶ء
۲	وصال والد ماجد مفتی محمد سعید علیہ الرحمہ، دہلی	۲۱ شعبان المعظم ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء
۳	وصال والدہ ماجدہ علیہ الرحمہا	تقریباً ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء
۴	وصال جد امجد شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ محدث دہلوی	۱۰ رجب المرجب ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
۵	بیعت شیخ طریقت حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ مکان شریف (مشرقی پنجاب، بھارت)	۱۳۱۷ھ / ۱۹۰۰ء
۶	آغاز و اہتمام تہجد بعمر ۱۴ سال	۱۳۱۷ھ / ۱۹۰۰ء تا ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء
۷	حفظ قرآن مجید، تحصیل تجوید و قرأت بعمر ۱۵ سال	۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء
۸	علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل سے فراغت	۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۱ء
۹	اجازت و خلافت سلسلہ نقشبندیہ	ما بعد ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء
۱۰	عقد مسنونہ بعمر ۱۹ سال انور جہاں بیگم سے	۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء
۱۱	اہلیہ کا وصال پر ملال	۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۶ء

۱۔ والدہ ماجدہ مولانا محمد مظہر احمد، مولانا محمد شرف احمد، اختر بیگم (تذکرہ مظہر مسعود، ص ۵۴۹)

۱۲	دوسرا عقد مسنونہ نور جہاں بیگم ۲	۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء
۱۳	دوسری اہلیہ کا وصال	۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء
۱۴	اشاعت رسالہ ”ارکان دین“ دہلی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۱۵	اشاعت رسالہ ”مظہر الاخلاق“، دہلی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۱۶	اشاعت رسالہ ”مظہر العقائد“، دہلی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۱۷	تیسرا عقد مسنونہ عائشہ بیگم ۳	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۱۸	تحریک خلافت میں بحیثیت سیکرٹری شمولیت	۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء
۱۹	تحریک خلافت سے علیحدگی	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۲۰	تالیف ”کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب“	۱۰ صفر المظفر ۱۳۴۴ھ
		۳۱ اگست ۱۹۲۵ء
۲۱	جواں سال صاحبزادی خدیجہ بیگم کا انتقال، دہلی	تقریباً ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء
۲۲	اشاعت ”القول الفائق علی امامۃ الفاسق“، دہلی	۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء
۲۳	اشاعت ”تحقیق الحق“، دہلی	۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء
۲۴	خراج عقیدت علامہ محمد حمایت علی میرٹھی علیہ الرحمہ	۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء
۲۵	مایہ ناز فرزند پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی ولادت باسعادت، دہلی	۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء
۲۶	گاندھی کو مہاتما کہنے کے خلاف فتویٰ	۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء
۲۷	ایک قومی نظریہ کی مخالفت اور دوقومی نظریہ کی حمایت	۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء

والدہ عائشہ بیگم وفاطمہ بیگم ونانی صاحبہ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف، بہاولپور (تذکرہ مظہر مسعود، ص ۵۵۰)
والدہ ماجدہ مولانا محمد احمد، مولانا منور احمد، مولانا منظور احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ڈاکٹر محمد سعید اور آمنہ بیگم
بیگم، صدیقہ بیگم، امینہ بیگم اور نسیم بیگم (تذکرہ مظہر مسعود، ص ۵۵۱) — (اللہ کے فضل و کرم سے قبلہ مفتی
صاحب علیہ الرحمہ کے ہاں سات صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تولد ہوئیں)

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء	تالیف ”رسالہ در علم توقیت“ — قلمی	۲۸
ما قبل ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء	آغاز انعقاد جلسہ عید میلاد النبی ﷺ مسجد فتحپوری، دہلی	۲۹
۱۳۵۳ھ/۱۹۳۲ء	گستاخانِ رسول کے خلاف فتویٰ کفر	۳۰
۱۳۵۳ھ/۱۹۳۲ء	خلیفہ اعلیٰ حضرت بریلوی صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی کا خراج عقیدت	۳۱
۲۸ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ	اجازت و خلافت سلسلہ عالیہ قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ	۳۲
۲۳ دسمبر ۱۹۳۶ء	از شاہ محمد رکن الدین الوری علیہ الرحمہ —	
	وصال حضرت شاہ محمد رکن الدین الوری نقشبندی	۳۳
۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء	مجددی، الور شریف	
	نواب حیدر آباد میر عثمان خان کی دعوت پر جانے سے انکار	۳۴
۱۳۵۶ھ/۱۹۳۶ء		
تقریباً ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء	نوعمر صاحبزادی (سعیدہ بیگم) کا انتقال، دہلی	۳۵
ما قبل ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء	قضیہ پشتہ مسجد جامع فتحپوری، دہلی کی مدافعت و حمایت	۳۶
	شیخ عبداللہ شریف المکی کا حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی شان میں عربی قصیدہ	۳۷
۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء		
۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء	اشاعت ”موجودہ مصائب کا واحد علاج“، دہلی	۳۸
۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء	قائد اعظم محمد علی جناح کی دہلی حاضری	۳۹
۱۳۶۱ھ/۱۹۴۱ء	اشاعت ترجمہ قرآن کریم، دہلی	۴۰
۱۳۶۱ھ/۱۹۴۱ء	اشاعت حواشی و تفسیر قرآن کریم، دہلی	۴۱
۲۴ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ	اجازت دلائل الخیرات شریف از شیخ المشائخ	۴۲
۱۱ فروری ۱۹۴۲ء	عبدالسلام قادری علیہ الرحمہ	

۴۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ اور مفتی محمد محمود الوری علیہ الرحمہ حیدرآبادی کو ایک ہی دن اجازت و خلافت دی گئی — (بحوالہ ”یاد محمود“ از فاروق احمد خاں — مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء)

۱۹۲۵ء	جواں سال صاحبزادے مولانا منور احمد کا وصال، دہلی	۴۳
۱۳۶۴ھ/۱۹۲۳ء	انتقال عم محترم علامہ حکیم عبدالمجید علیہ الرحمہ، اجمیر شریف	۴۴
۱۳۶۴ھ/۱۹۲۳ء	ممبر سنی مجلس اوقاف، دہلی	۴۵
۱۳۶۴ھ/۱۹۲۵ء	حج بیت اللہ شریف اور زیارت حرمین شریفین	۴۶
۱۳۶۵ھ/۱۹۲۵ء	شاہ سعود کی شاہی دعوت مکہ معظمہ میں شرکت سے انکار	۴۷
۱۳۶۵ھ/۱۹۲۶ء	جواں سال صاحبزادی (آمنہ بیگم) کا انتقال، دہلی	۴۸
۱۳۶۷ھ/۱۹۲۷ء	اشاعت رسالہ ”خزینۃ الخیرات“، دہلی	۴۹
۱۳۶۷ھ/۶ جون ۱۹۲۷ء	اعلان تقسیم ہند	۵۰
۲۹ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ	تیسری اہلیہ عائشہ بیگم کا انتقال	۵۱
۱۹ جون ۱۹۲۷ء		
۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ	تاسیس پاکستان	۵۲
۱۳ اگست ۱۹۲۷ء		
۱۳۶۶ھ/۱۵ اگست ۱۹۲۷ء	آزادی ہندوستان	۵۳
	دہلی میں قیامت خیز فسادات، مفتی اعظم کی حیرت انگیز استقامت	۵۴
۱۳۶۷ھ/۱۹۲۷ء		
	تقسیم ہند کے بعد جمعۃ المبارک کو ہندوؤں اور سکھوں نے مسجد فتحپوری پر پہلا بم پھینکا اور مسلح افراد نے حملہ کیا	۵۵
۱۳۶۸ھ/۵ ستمبر ۱۹۲۷ء	صدر جمہوریہ ہند کے انتقال اقتدار کی دعوت میں	۵۶
	شرکت سے معذوری، دہلی	
۱۳۶۸ھ/۱۹۲۸ء	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے لیے دینی خدمات کی دعا	۵۷
۱۳۶۹ھ/۱۹۲۹ء		

۳ شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ/	دوسرے جواں سال صاحبزادے مولانا منظور احمد	۵۸
۲۱ مئی ۱۹۵۰ء	کا سانحہ ارتحال	
۶ رزی الحج ۱۳۷۰ھ/	تالیف رسالہ ”انتقاء المحال فی رویت الہلال“، دہلی	۵۹
۸ ستمبر ۱۹۵۱ء		
۳۳ ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء	حضرت مسعود ملت کی شاندار ترقیوں کی بشارت	۶۰
۵ ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء	سفیر عوامی جمہوریہ چین کی دعوت میں شرکت سے انکار	۶۱
۶ ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء	اشاعت ”دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ“، دہلی	۶۲
۱۹۵۸ء	جامع مسجد آرام باغ، کراچی میں دارالعلوم مظہریہ کا قیام	۶۳
۸ ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۹ء	اشاعت ”فتویٰ رویت ہلال“، دہلی	۶۴
۹ ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء	محمود عباسی کی کتاب ”خلافت یزید و معاویہ“ کا ماہنامہ	۶۵
۹ ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء	”اذان“، کراچی میں شدید تعاقب	
۹ ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء	اشاعت ”قصد السبیل“، دہلی	۶۶
۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء	تصنیف و اشاعت ”شجرہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ“، دہلی	۶۷
۲۷ ربیع الآخر ۱۳۸۱ھ/	حضرت مسعود ملت کیلئے دعائے روح القدس	۶۸
۸ اکتوبر ۱۹۶۱ء	پاکستان پہلی بار آمد	۶۹
۵ جمادی الاول ۱۳۸۱ھ/		
۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء	کراچی میں استقبالیہ اور سپاس نامہ از علامہ محمد عبدالحامد	۷۰
۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء	بدایونی علیہ الرحمہ اور دیگر علمائے اہل سنت	
	تاسیس ”بزم ارباب طریقت، پاکستان“، کراچی	۷۱
۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء	حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی شان میں علامہ	۷۲
۱۳۸۱ھ/ ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء	ضیاء القادری بدایونی علیہ الرحمہ کی منقبت	
	حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں	۷۳

۱۳۸۱ھ/۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء	مولانا عبدالسلام باندوی علیہ الرحمہ کی منقبت	۷۴
۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء	راولپنڈی تشریف آوری	۷۵
۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ	کراچی میں دوبارہ تشریف آوری	۷۶
۳۰ جولائی ۱۹۶۲ء	حیدرآباد میں تشریف آوری	۷۷
۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء	لاہور تشریف آوری پر خلیفہ اعلیٰ حضرت حضرت ابوالبرکات سید احمد قادری، صدر المشائخ مولانا فضل عثمان مجددی اور دیگر علماء و مشائخ کا استقبال	۷۸
۲۳ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ	مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی شادی	۷۹
۲ اگست ۱۹۶۲ء	پاک و ہند کی جنگ اور پاکستان کی کامیابی کی بشارت	۸۰
۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء	جمعیت العلماء ہند کے خلاف فتویٰ	۸۱
۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء	سنی مجلس اوقاف، دہلی کی طرف سے صاحبزادہ مولانا حافظ محمد احمد علیہ الرحمہ کے نام امامت کی منتقلی	۸۲
۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء	وصال سے قبل حکیم عبدالحی مرحوم کو اپنے وصال کی اطلاع	۸۳
۱۳۸۶ھ/جون ۱۹۶۶ء	وصال پر ملال	۸۴
۱۲ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ	صحیح مسجد جامع فتحپوری، دہلی میں تدفین	۸۵
۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء		
۱۵ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ		
۲۹ نومبر ۱۹۶۶ء		
۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء	پاک و ہند کے اخبارات و رسائل کا خراج عقیدت	

	آپ کے نام نامی سے منسوب رسالہ ”المظہر“ کا آغاز	۸۶
۱۳۶۷ھ/۱۹۶۷ء	— بدست صاحبزادہ مفتی محمد مظفر احمد علیہ الرحمہ	
	آپ کی یاد میں مدرسہ مظہر العلوم نوریہ، دھا پور، بجنور	۸۷
۱۳۶۸ھ/۱۹۶۸ء	کا حکیم محمد عاقل چشتی مظہری کے زیر نگرانی قیام	
۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء	اشاعت ”مکاتیب مظہری“، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی	۸۸
۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء	اشاعت ”مواعظ مظہری“، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی	۸۹
۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء	اشاعت ”فتاویٰ مظہری“، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی	۹۰
۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ/	آپ کی یاد میں سلسلہ عالیہ مظہریہ مسعودیہ سے متعلق	۹۱
۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء	کتب کی اشاعت کیلئے ادارہ مظہر اسلام، لاہور کا قیام	
	ادارہ مظہر اسلام، لاہور کے قیام پر حضرت مسعود ملت	۹۲
۳ ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ/	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد زید لطفہ کا تہنیت نامہ (بنام	
۲۱ ستمبر ۱۹۹۳ء	ملک محمد سعید صاحب مجاہد آبادی، نگران مذکورہ ادارہ)	
۱۴۱۶ھ/۱۹۹۴ء	اشاعت مقالہ ”شُرک و توحید“، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۹۳
۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء	اشاعت مقالہ ”تحدیث نعمت“، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۹۴
۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء	اشاعت مقالہ ”تصرفات محمدیہ“، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۹۵
۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء	اشاعت مقالہ ”ناموس مصطفیٰ“، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۹۶
	اشاعت مقالہ ”فتویٰ عصمت پناہ“ (پردہ کا شرعی حکم)،	۹۷
۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء	ادارہ مظہر اسلام، لاہور	
۱۴۱۹ھ/دسمبر ۱۹۹۸ء	اشاعت مقالہ ”یشاق النبیین“، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۹۸
۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء	اشاعت مقالہ ”درود و دعا“، ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۹۹
	”مکاتیب مظہری“ جلد اول دوم کی یکجا اشاعت، ادارہ	۱۰۰
۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء	مسعودیہ، کراچی	

۱۰۱	”فتاویٰ مظہریہ“ کی مع اضافات ادارہ مسعودیہ، کراچی سے اشاعت	۱۳۱۹ھ/۱۹۹۹ء
۱۰۲	رسالہ ”المظہر“ کا ادارہ مسعودیہ، کراچی سے دوبارہ اجراء بفیضان حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد زید لطفہ	محرم، صفر ۱۳۲۳ھ/ مارچ اپریل ۲۰۰۲ء (مشتکر کہ پہلا شمارہ)

احقر

محمد عبدالستار طاہر

E-III/A - پیر کالونی - والٹن

لاہور چھاؤنی - کوڈ نمبر ۵۴۸۱۰

محررہ

۲۵ رذیقہ ۱۳۱۳ھ/ ۱۷ مئی ۱۹۹۳ء

اضافات

۱۳ محرم ۱۳۲۰ھ/ یکم مئی ۱۹۹۹ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابتدائیہ

کاروانِ حیات رواں دواں ہے — قافلوں پر قافلے چلے آرہے ہیں، اور چلتے چلے جا رہے ہیں — کچھ لوگ جانے کے لیے آرہے ہیں اور کچھ آنے کے لیے آرہے ہیں — جا تو وہ بھی رہے ہیں لیکن وہ روشنیاں چھوڑ رہے ہیں، اور اندھیری راہوں کو جگمگا رہے ہیں — اجل سہم رہی ہے کہ وہ زندگی بنا رہے ہیں، اور زندگی مسکرا رہی ہے کہ وہ عروسِ دل سجا رہے ہیں۔

ہاں دیکھو دیکھو وہ آنے والا اپنے وقت پر آیا — بچپن ہی میں یتیم و سیر ہو گیا — اس کے مولیٰ نے دستگیری فرمائی، پھر وہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں یگانہ روزگار ہوا — برسوں تشنگانِ علم کو سیراب کرتا رہا اور طالبانِ حق کی رہنمائی کرتا رہا — اس نے حریمِ محبت میں قدم رکھا تو اپنے عشق کا سکہ جما دیا — دیا محبوب میں پہنچا تو سب کچھ بھلا دیا۔ اسی کو یاد رکھا جس کی یاد قرارِ جسم و جاں ہے — اس نے ایسی مرعباں مرنجِ زندگی گزاری کہ اپنے اور بیگانے سب اسی کی طرف کھنچے چلے آتے تھے — اس نے اپنوں کو غیر نہ بنایا، غیروں کو اپنا بنایا — اس نے زندگی بھر اپنے لیے کچھ نہ کیا، جو کچھ کیا خدا اور بندگانِ خدا کے لیے کیا — اس نے امامت کی تو ایسی کہ قلب و روح تڑپ کر رہ گئے اور سجدوں میں معراج کا سالطف آ گیا — وہ مجسمہٴ حمیت و غیرت تھا، اس نے خانہٴ خدا کی عزت و ناموس کے لیے اپنی عزت کو عزت اور اپنی جان کو جان نہ سمجھا — اس نے آڑے وقت میں ملتِ اسلامیہ کی وہ خدمت کی کہ باید و شاید! — وہ ذرائعِ ابلاغ کے سہارے زندہ نہ رہا، وہ خود پیکرِ حیات تھا، اس نے سینوں کو چمکایا — اس نے اپنی عزیمت پسندی سے بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کے وہ چراغ روشن کیے جو رہتی دنیا تک روشن رہیں گے — اس نے اپنے جگر گوشوں کو تہذیبِ جدید کی مسموم فضاؤں سے بچائے رکھا کہ وہ ربِ کریم کے حضور شرمسار نہ ہوں — اس نے اپنے

جاں نثاروں کو محبوب رب العالمین (ﷺ) کی طرف لگائے رکھا، اور اسی کے نقش قدم پر چلایا — اس میں مشیخت کی ذرا بونہ تھی — اس نے فقیرانہ بسر کی اور اپنے ماحول پر قاہرانہ نظر رکھی۔

بالآخر حرمۃ للعالمین (ﷺ) کے ماہِ محبوب شعبان المعظم کو وہ ماہِ نیم ماہ، مہر نیم روز کی مانند چمک کر عالم فانی سے غروب ہو گیا اور پھر آب و تاب سے عالم باقی میں طلوع ہوا —

جہاں میں اہل ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

آؤ آؤ اس ”خورشیدِ جہاں تاب“ کا نظارہ کر لیں، اس کی ضوفشانیوں سے اپنے دل منور کر لیں — جس کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے خلیفہ حضرت شاہ کرامت اللہ خان صاحب دہلوی علیہ الرحمہ یہ پیش گوئی فرما رہے ہیں:

”میرے بعد اگر کوئی چراغ روشن ہوا تو وہ مولانا مظہر اللہ ہوں گے۔“^۱

منظہر کن فکان کی آمد ہے	شمع کون و مکاں کی آمد ہے
کعبہ زاہدان کی آمد ہے	قبلہ عارفاں کی آمد ہے
طاقتِ ناتواں کی آمد ہے	بے کسوں کی چارہ سازی کو
ابر گوہر فشاں کی آمد ہے	پھر طریقت کا باغ مہکے گا
راحتِ قلب و جاں کی آمد ہے	بے قرارو! نہ اتنا گھبراؤ
سیلِ ابر رواں کی آمد ہے	فیضِ مسعود رہے گا جاری

کیوں نہ مسرور روح کاوش ہو
راحتِ دلبراں کی آمد ہے^۲

۱۔ یہ پیش گوئی جناب فیروز الدین شملوی نے روایت کی ہے۔ موصوف نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے خود

سماعت فرمائی تھی — مسعود

۲۔ پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش علیہ الرحمہ

آباء و اجداد

آپ کے جد امجد حضرت فقیہ الہند شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ ایک مشہور و معروف عالم و عارف، ولی کامل اور محدث وقت تھے۔ آپ کا سلسلہ حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔ آپ کی علمیت و فقاہت پر ان کی تصنیف ”فتاویٰ مسعودی“ شاہد ہے۔ جسے کراچی سے سرہند پبلی کیشنز نے ۱۹۸۱ء میں شائع کر دیا ہے۔۔۔ جن کی ولایت پر بقول مولانا حبیب النبی (بنکی شریف، سرحد) یہ حقیقت گواہ ہے کہ اکابر دیوبند کے شیخ طریقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء) نے ان کی صحبت کیمیا اثر میں سلوک نقشبندیہ طے کیا۔ اس سے حضرت فقیہ الہند کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سچ ہے:

دربار شہنشی سے خوش تر مردانِ خدا کا آستانہ

حضرت فقیہ الہند کے بہت سے خلفاء تھے، جن کا ذکر کتب سیر میں آچکا ہے۔ حضرت کے ایک مرید خاص مولانا ارشاد علی علیہ الرحمہ تھے۔ جن کو حضرت مولانا محمد رکن الدین علیہ الرحمہ سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ مولانا نے موصوف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید تھے۔ آپ کا مزار مبارک کوٹہ بوندی (بھارت) میں دریائے چنبل کے کنارے زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۱۔ آپ کے تفصیلی حالات کے لیے درج ذیل مآخذ کا مطالعہ کیا جائے:

- محمد مسعود احمد: شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ، ماہنامہ المعارف، لاہور شمارہ نومبر ۱۹۶۶ء
- محمد مسعود احمد: تذکرہ مظہر مسعود، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء، حصہ اول
- محمد امیر الدین: تفسیر ابر کرم، ص ۱۰۴، مطبوعہ ۱۸۸۸ء
- محمد ہدایت اللہ نقشبندی: معیار السلوک و دافع الادہام و الشکوک، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۳۶ء، ص ۳۳۹
- محمد امان اللہ: وصال الجلیل، مطبوعہ دہلی ۱۹۲۶ء، ص ۹

۲۔ مولانا ارشاد علی الوری کے حالات زندگی پر ان کے صاحبزادے مولانا محمود الحسن زیدی الوری علیہ الرحمہ نے ”حیات ارشاد“ کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی۔۔۔ مسعود

مولانا ارشاد علی الوری علیہ الرحمہ کے صاحبزادے مولوی محمود الحسن زیدی علیہ الرحمہ کو حضرت حجۃ الاسلام حامد رضا خاں بریلوی اور حضرت مولانا سعید علی حسین شاہ اشرفی علیہما الرحمہ سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔

والد ماجد

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ حضرت فقیہ الہند کے بڑے صاحبزادے مولانا مفتی محمد سعید علیہ الرحمہ کے فرزند اکبر تھے۔

حضرت مفتی محمد سعید علیہ الرحمہ اپنے والد ماجد سے بیعت تھے اور انہیں سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ صاحب جذب اور عالم و فاضل تھے۔ آپ کا ایک فتویٰ محررہ ۱۸۸۷ء مجموعہ فتاویٰ (مطبوعہ مطبع صدیقی، لاہور ۱۸۹۱ء) میں موجود ہے۔

ولادت و تربیت

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز پاک و ہند کے سربراہ اور وہ علماء و صوفیہ میں سے تھے۔ آپ دہلی کے ممتاز عالم و فقیہ، جلیل القدر فاضل اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ طریقت حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء) کے نامور پوتے اور دہلی کے معروف عالم و عارف حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۸۸۹ء) کے فرزند ارجمند تھے۔ اور ہندوستان کے مشہور صوفی حضرت جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد سے تھے۔

مفتی صاحب نسباً فاروقی، مسلکاً حنفی، مشرباً نقشبندی مجددی اور موطناً دہلوی تھے۔ ۳

۱۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر حضرت علیہ الرحمہ کے نام نامی اسم گرامی کا آئینہ دار ہے:

جان در اول مظہر درگا شد جانِ جان مظہر اللہ شد

۲۔ شیخ جلال الدین تھانیسری علیہ الرحمہ کے تفصیلی حالات کے لیے مندرجہ ذیل مآخذ سے رجوع کیا جائے:

عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، ص ۳۹۵ عبدالحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۸۲

عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، ص ۲۸۵ مفتی غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء، ج ۱، ص ۳۴۹

۳۔ شاہ محمد مسعود: نور العرفان (قلمی) ص ۲۱۔ لیکن آپ کی ایک تصنیف ”درۃ الیتیم فی القرآن العظیم“ (مؤلفہ

۱۳۸۵ھ/۱۸۶۸ء) سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صدیقی ہیں۔

حضرت مفتی اعظم ۱۵ رجب المرجب ۱۳۰۳ھ / ۲۱ اپریل ۱۸۸۶ء کو دارالسلطنت
دہلی میں جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ (م۔ ۱۸۹۹ء) نے آپ کا نام
”مظہر اللہ“ رکھا اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس بزرگ ہستی نے آپ کا نام نامی تجویز فرمایا، اسی
نے بیعت سے سرفراز فرما کر کندن بنایا۔

۱۸۸۹ء میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اور دوسرے ہی سال ۱۸۹۰ء میں آپ
کی والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں۔ چار سال کی عمر میں یتیم و یسر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے
محبوبوں کو بے سہارا بنا کر اپنا سہارا عطا فرماتے ہیں۔ اور جس کو اس کا سہارا مل جائے تو پھر اس کو
کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہیں رہتی۔

چھوڑ کر در کو ترے جائے کہاں تیرا گدا
تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں اپنے جلوے کر عطا (مظہر)

کفالت

والدین کے وصال کے بعد ۱۸۸۹ء سے آپ کے جد امجد حضرت مفتی محمد مسعود شاہ
علیہ الرحمہ نے کفالت فرمائی۔ حضرت علیہ الرحمہ ابھی چھ سال ہی کے تھے کہ ۱۸۹۱ء میں حضرت
جد امجد علیہ الرحمہ کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء سے نانی صاحبہ علیہا الرحمہ نے کفالت فرمائی
۔ ۱۸۹۸ء میں یہ بھی رحلت فرما گئیں۔ اس وقت حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی عمر شریف
تیرہ سال تھی۔

۱۸۹۸ء سے عم محترم اور خالو حضرت مولانا عبد المجید علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۶۴ھ / ۱۹۲۲ء)
نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ حضرت مولانا عبد المجید علیہ الرحمہ کا سلسلہ حدیث چار
واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔ بعض ذرائع سے

۱۔ اخلاق حسین دہلوی، علامہ: مفتی اعظم، ماہنامہ عقیدت، دہلی، شمارہ اگست ۱۹۶۲ء

حضرت علیہ الرحمہ کے تفصیلی حالات کے لیے مطالعہ کریں:

مکاتیب مظہری، جلد اول، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

تذکرہ مظہر مسعود، حصہ دوم، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

معلوم ہوا ہے کہ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ بھی حضرت مولانا موصوف کے تلمیذ رشید تھے۔
 مفتی صاحب نے آپ ہی کفالت میں تعلیم مکمل کی اور ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا۔

کچھ سنتیں اختیاری ہوتی ہیں اور کچھ سنتیں اختیاری نہیں، بچپن ہی میں یتیمی و یسیری،
 پھر جدا مجد اور عم محترم کی بالترتیب کفالت۔ اس طرح ابتداء ہی سے حضرت علیہ الرحمہ کی حیات
 طیبہ میں سیرت نبوی ﷺ کی جھلک نظر آنے لگی۔ ع

صباغة صبغ المحب حبیہ

جو ان کے ہو جاتے ہیں، ان کی دستگیری فرما کر محبوب کی راہوں پر چلاتے ہیں۔ راہِ جاناں سے
 بہتر اور کون سی راہ ہے! — سیرت کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے۔ ع

کافی ہے بس اک نسبت سلطانِ مدینہ

حضرت کی دودھیال تو علم و فضل کا گہوارہ تھی مگر ننھیال بھی علمیت و فضیلت اور دینی و دنیاوی
 وجاہت کے اعتبار سے ممتاز تھی — حضرت کے نانا حافظ عبدالعزیز مرحوم ریاست جھجر کے
 ممتاز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۳۳۶ھ/۱۸۳۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ انقلاب
 ۱۸۵۷ء کے بعد جب ریاست کا شیرازہ بکھر گیا تو آپ ریاست پاٹودی تشریف لے آئے اور
 یہاں نوابین ریاست کے اتالیق رہے۔ بعد میں میرٹھی کے ممتاز عہدے پر فائز ہوئے
 — یہ تمام حالات حضرت کے برادر عم زاد محترم عبدالرشید صاحب مرحوم (مجسٹریٹ، درجہ
 اول ریاست پاٹودی) نے اپنے قلمی دیوان کے مقدمہ میں لکھے ہیں۔!

تعلیم و تعلم

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے قرآن کریم سے تعلیم کا آغاز فرمایا۔ تھوڑے عرصہ میں
 قرآن مجید حفظ فرمایا اور فن تجوید و قرأت میں کمال حاصل کیا۔
 دہلی میں بے شمار حفاظ اور قراء موجود تھے۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ کی قرأت کی شان ہی

کچھ اور تھی۔ جن کانوں نے یہ قرأت سنی ہے، اس کی شیرینی و حلاوت اور لطافت و پاکیزگی بھلائے نہیں بھولتی۔ امام جزری علیہ الرحمہ نے اپنی تالیف ”النشرفی القرآت العشر“ میں قرأت کی جو تعریف کی ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کی قرأت اس تعریف کی ترجمان صادق تھی۔ امام جزری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”تجوید نہ تو زبان کے چبانے کو کہتے ہیں اور نہ منہ میں گڑھا ڈالنے کو، نہ جبرے کو ٹیڑھا کرنے کا نام تجوید ہے۔ نہ آواز میں گونج پیدا کرنے اور نہ تشدید کو سختی سے کھینچنے اور مد کو کاٹنے اور غنات (نون غنہ) کی بھنبھاہٹ کا نام تجوید ہے، اور نہ راؤں کو بٹنے کا۔ کہ ان کرتبوں سے قرأت ایسی ہو جاتی ہے کہ طبعیتیں اس سے متنفر ہوں اور دل و کان سُننا نہ چاہیں۔ بلکہ قرأت ایسی سہل، شیریں اور لطیف ہونی چاہیے کہ جس میں نہ چباننا ہو، نہ منہ میں پھرانا، نہ بے راہ روی اور تکلف ہو۔ نہ تصنع یا عجلت پسندی ہو، اور نہ وجوہ قرأت و ادا کے باب کی عادتوں اور فصحاء کے کلام سے کسی طور تجاوز ہو۔“

حفظ قرآن کریم اور تجوید و قرأت میں کمال کے بعد علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل اپنے عم محترم حضرت مولانا عبدالمجید علیہ الرحمہ سے فرمائی۔ جن کا سلسلہ حدیث متعدد واسطوں سے حضرت شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمہ تک پہنچتا ہے۔ مولانا نے مدوح کے علاوہ حضرت نے معاصرین علماء کرام سے بھی شرف تلمذ حاصل فرمایا۔

اس کے بعد ذاتی مطالعے سے مختلف علوم و فنون میں وہ کمال پیدا کیا کہ باید و شاید۔ مثلاً تفسیر و اصول تفسیر، فقہ و اصول فقہ، منطق، فلسفہ، ریاضی، اقلیدس، ادب، صرف و نحو، علم توقیت علم الفرائض (میراث) اور خطاطی وغیرہ۔

فتویٰ نویسی

بالخصوص فن فتویٰ نویسی میں وہ مہارت پیدا کی کہ معاصرین میں کوئی آپ کا ثانی نہ تھا۔ مسائل فقہیہ پر حضرت کو جو عبور تام حاصل تھا وہ ہر طبقہ فکر میں مسلم تھا۔ فتویٰ نویسی میں

۱۔ راغب طباطبائی: تاریخ افکار و علوم اسلامی (ترجمہ اردو افتخار احمد بلوچی) ص ۱۹۴، ۱۹۵ مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء

حضرت کو پید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کے فتوے پاک و ہند کے طول و عرض میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ نے تقریباً (۷۰) ستر سال مسجد فتحپوری میں فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیے۔ آپ کے تحقیقی اور بے لاگ فتوؤں کے مخالف و موافق دونوں معترف تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ آپ نے کبھی اپنے و بیگانے کی رورعایت نہیں کی اور حق و انصاف کے تقاضوں کے تحت فیصلہ صادر فرمایا۔ چنانچہ ایک جگہ آپ خود تحریر فرماتے ہیں:

”الحمد لله على احسانه! میں نے مخالف کی طرف حق دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت سے دریغ نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے قلب میں میری محبت راسخ ہو گئی۔ اسی طرح اپنے دوست کی طرف باطل دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت نہ کی، اگرچہ وہ اس کی وجہ سے دشمن ہو گیا۔ لیکن مجھے نہ اس کی دوستی کی کچھ پرواہ رہی نہ اس کی دشمنی کا کچھ خوف۔ والحمد لله على ذلك“

حضرت علیہ الرحمہ کی اسی ہر دل عزیز اور مقبولیت کو دیکھتے ہوئے کراچی کے ایک شاعر جناب گلزار دہلوی نے کہا ہے:

اپنے تو پھر بھی اپنے ہیں، اپنوں کا ذکر کیا

غیروں کی زباں پہ بھی شہرہ تمہاراہے

افغانستان کے مشہور عالم و عارف حضرت نورالمنان مجددی کابلی علیہ الرحمہ

(م۔ ۱۹۵۶ء) حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی علمیت و روحانیت کے دل سے معترف تھے اور

فرماتے تھے:

”مفتی مظہر اللہ مرد باطن است و عالم خوب است“

فتویٰ نویسی میں آپ اپنے معاصرین میں نہایت ممتاز تھے۔ آپ کے فتوے کسی وکیل

کی تحریر معلوم نہیں ہوتے بلکہ کسی حجج کا فیصلہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے کبھی کسی کی وکالت نہیں

کی۔ ساری زندگی عدالت ہی عدالت کی۔ مدعی اور مدعا الیہ میں سے نہ کسی کی تعظیم و توقیر کی اور نہ

کسی کی تذلیل و تحقیر، کیونکہ یہ بات مقام عدل کے منافی ہے۔
مفتی اعظم علمیت و روحانیت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ علمیت پر ان کے فتاویٰ شاہد ہیں
اور روحانیت پر ان کی بے مثال مقبولیت اور مرجعیت۔

مفتی اعظم کے فتوے پاک و ہند میں دور دراز علاقوں میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ اور
آج بھی فقہی مسائل پر چھپنے والی کتابوں میں مفتی اعظم کے فتوؤں کے حوالے دیئے جاتے
ہیں۔ چنانچہ پشاور اور بدین وغیرہ سے شائع ہونے والے چند رسائل میں مفتی اعظم علیہ الرحمہ
کے حوالے موجود ہیں، ملاحظہ ہوں:

از مولوی شمس الدین ہزاروی	داڑھی کی اسلامی حیثیت
از محمد امیر شاہ گیلانی، پشاور ۱۹۷۶ء	داڑھی منڈے امام.....
از طاہر شاہ میاں قادری، مدین ۱۹۷۷ء	تبلیغ قرآن و حدیث کی روشنی میں
از طاہر شاہ میاں قادری، مدین ۱۹۷۸ء	عشق رسول
وغیرہ وغیرہ	

مسک اہل سنت و جماعت کے اس عظیم عالم و عارف اور مفتی کے فتاویٰ پر لائڈن
یونیورسٹی، ہالینڈ میں تحقیق ہو رہی ہے۔

بیعت و ارشاد

۱۸۹۸ء میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی عمر تیرہ سال تھی۔ اس زمانے میں آپ نانی
صاحبہ کی کفالت میں تھے۔ اسی زمانے میں حضرت کے جد امجد کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ رکن الدین
الوری علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) پنجاب کے مشہور بزرگ، وقت کے عارف

۱۔ انوار مظہریہ، ص: ۳۳

۲۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: حاشیہ ”گویا دبستان کھل گیا“، ص: ۱۳، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء

۲۔ حضرت شاہ رکن الدین الوری علیہ الرحمہ حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کے اجلہ خلفاء میں تھے۔ آپ صاحب تصنیف
بزرگ تھے۔ آپ کا رسالہ ”رکن دین“ شہرت دوام حاصل کر چکا ہے۔ آپ کا مزار مبارک الوری (راجستھان، بھارت)
میں واقع ہے۔ آپ کے صاحبزادے اور حضرت مفتی اعظم کے فرزند نسبتی حضرت علامہ مفتی محمد محمود الوری حیدرآباد
سندھ میں رونق بخش مسند ارشاد تھے۔ وہیں مزار مبارک مرجع خلاق ہے۔ انہوں نے آپ کے تفصیلی حالات پر ”مصباح
الساکنین“ کتاب لکھی (مطبوعہ ۱۹۳۶ء، دہلی)۔ ۲۰ اور ۲۱ شوال کو حیدرآباد سندھ میں آپ کا عرس ہوتا ہے۔

کامل حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۹ء) کی طلب خاص پر حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو ساتھ لے کر مکان شریف (رتز چھتر ضلع گورداس پور، مشرقی پنجاب، بھارت) حاضر ہوئے۔ سرحد پاکستان سے مقبرہ شریف کا منظر بڑا دل فرما معلوم ہوتا ہے۔

حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت فرمایا۔ اور ایسی توجہ خاص سے نوازا کہ بے خود کر دیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ کے سپرد کر دیا۔ چونکہ بیعت کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۸۹۹ء میں حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی تربیت فرمائی اور بفضلہ تعالیٰ چاروں سلاسل میں اجازت و خلافت سے نوازا۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد حضرت علیہ الرحمہ نے سلسلہ بیعت و ارشاد کا آغاز فرمایا۔ بے شمار لوگ آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ آپ کے مریدین و معتقدین پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں، بلکہ بلاد اسلامیہ میں موجود ہیں۔

جَازَ الْجَمَالَ فَصَارَ يَشْهَدُ صُورَةَ

فِيهَا وَكَمْ أَرَوِي الْعَطَاشَ شَرَابَهَا

۱۔ حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ، حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے جدا مجد حضرت مفتی محمد مسعود شاہ علیہ الرحمہ کے شیخ طریقت حضرت امام علی شاہ علیہ الرحمہ (م۔ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) کے فرزند ارجمند تھے۔ سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ حضرت مفتی محمد مسعود شاہ علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید تھے۔ آپ ہی سے سند حدیث حاصل کی۔ جبکہ سند اجازت و خلافت اپنے والد ماجد مرآة محققین حضرت سید امام علی شاہ علیہ الرحمہ سے حاصل کی۔ آپ جس پر لطف کی نظر فرمادیتے، اسکو ما سوا اللہ سے بے نیاز کر دیتے۔ آپ کے پیرو مرشد اور والد گرامی حضرت سید امام علی شاہ علیہ الرحمہ نے آپ کو اس خصوصی دعا سے نوازا:

”جو لوگ تمہارے دامن سے وابستہ ہوں، ہمیشہ مقبول و مسرور ہوں۔“

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی مرجعیت اسی دعا کی اجابت کی کرامت تھی۔

قاضی قائم الدین قانون گو نے ”ذکر مبارک“ کے نام سے دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی تھی جس کی دوسری جلد حضرت امام علی شاہ علیہ الرحمہ کے حالات پر تھی۔ اسی طرح مولوی سید احمد علی مرحوم نے ”آثار قیومیہ“ کے نام سے آپ کے حالات پر ایک کتاب لکھی تھی۔ دونوں کتابیں نایاب ہیں۔

آپ کے تفصیلی حالات کے لیے مندرجہ ذیل کتب مطالعہ کی جائیں:

محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: تذکرہ مظہر مسعود، حصہ اول، ص ۳۴ تا ۴۲ مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء

محمد ابراہیم، صوتی: خزینہ معرفت، مطبوعہ ۱۹۳۱ء، ص ۱۱۴

محمد امین شرقیوری: اولیاء نقشبند، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۳ء، ص ۱۵۷

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے مکاتیب گرامی میں بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ اپنے شیخ طریقت کا ذکر فرمایا ہے: اور اکثر مریدین کو اسی طرف متوجہ ہونے کی تلقین فرمائی:

”اپنے دادا پیر حضرت سید صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح اطہر کو ثواب پیش کریں، اور ان کے وسیلہ سے دعا کریں۔“^۱

ایک اور مرید عزیز الدین صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

”اپنے دادا پیر حضرت صادق علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ایصالِ ثواب

کرتے رہیں، اور ان سے علاقہ خاص پیدا کریں کہ مہمات ہے۔“

اسی طرح ایک اور مرید محمد احمد قریشی صاحب کے نام ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

”اپنے دادا پیر سید صادق علی شاہ قدس سرہ العزیز کو ایصالِ ثواب کرتے رہیں،

اور مولیٰ سے دعا کریں کہ میری اعانت کے لیے ان کو سفارشی فرما، اور پھر ان کی سفارش

میرے حق میں قبول فرما۔“^۲

مرید موصوف ہی کے نام ایک اور مکتوب گرامی میں نہایت عقیدت و محبت سے تحریر

فرماتے ہیں:

”تمہیں سفارتاً اجازت دی جاتی ہے کہ کوئی بیعت ہونا چاہے تو اپنے ہاتھ پر میری

بیعت لے لو اور اس کو توجہ دیتے رہو، اور علاقہ حضرت مولیٰ و بطامر شہدی حضرت (سید صادق

علی شاہ صاحب) رحمۃ اللہ علیہ سے مضبوط رکھو کہ دارین میں وہی مشکل کشا ہیں۔“

ایک اور مرید سید نواب علی صاحب کے نام ایک مکتوب شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

”تمہارا خواب نہایت مبارک ہے جو اس پر دلیل ہے کہ تمہیں دادا پیر صاحب

سے علاقہ ہو گیا ہے، جو مہمات و اند عظیمہ ہے۔ حضرت کی روح پُرفوح کو ہمیشہ اعمال

صالحہ کا ثواب ہدیہ پیش کرتے رہیں۔“^۳

۱۔ مکتوب بنام عبدالستار، مرسلہ ۲۶/ دسمبر ۱۹۵۷ء

۲۔ مکتوب بنام محمد احمد قریشی، موصولہ ۷ مئی ۱۹۵۳ء

۳۔ مکتوب بنام سید نواب علی، مرسلہ ۱۷ جنوری ۱۹۵۷ء

مفتی غلام سرور لاہوری (م۔ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء) حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ کے معاصرین میں تھے۔ موصوف نے چشم دید حالات لکھے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”حضرت (امام علی شاہ) کی وفات کے بعد سید صادق علی شاہ ان کے فرزند ارجمند مسند ارشاد پر متمکن ہوئے، جو اپنے والد کی طرح کمال خلیق و خوش خلق و مہمان نواز و صاحب دولت و جاہ ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے جامہ فقر میں ان کو بادشاہت بخشی ہے۔ سید صادق علی شاہ کی زیارت سے مولف کتاب بھی مستفید ہوا ہے۔ سبحان اللہ! کیا کہنا ہے۔ نہایت بزرگ و باخدا مرد ہیں۔ درود شریف کا ذکر اکثر اوقات ان کی مجلس میں ہوتا ہے اور ذکر نفی و اثبات دائمی ورد ہے۔ اس سال میں حضرت کا جوان لڑکا فوت ہو گیا، حضرت نے کمال صبر کیا اور کسی طرح کی شکایت زبان پر نہ لائے۔“

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ علم و فضل، زہد و تقویٰ اور صبر و استقامت میں اپنے شیخ کامل حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ کا آئینہ دار تھے۔^۲

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے دہلی کے مشہور و معروف بزرگ حضرت شاہ محی الدین عبداللہ ابوالخیر کابلی رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۹۲۴ء) سے بھی استفادہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت مولانا ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

”جناب مفتی مظہر اللہ، امام مسجد فتحپوری، ساہبا سال آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ۱۳۸۵ھ میں اس عاجز سے حضرت سید الوالد کے کچھ حالات بیان کیے اور کہا: ”میں کئی سال تک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میری یہ کیفیت ہو گئی کہ بجائے اپنے پیرومرشد کے آپ کا تصور کرنے لگا۔ اس میں میرے ارادے کو دخل نہ تھا۔ اسی زمانے میں آپ نے ایک دن تبسم فرما کر ارشاد کیا:

۱۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقتہ الاولیاء، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۱۳۵
 ۲۔ حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ نے ”تفسیر صادق“ کے نام سے تیسویں پارے کی فارسی میں تفسیر لکھی تھی، جس میں رنگ عارفانہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مکتوبہ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء حضرت علامہ مفتی محمود الوری (حیدرآباد، سندھ) کے کتب خانے میں موجود ہے۔ مسعود

”مولوی مظہر اللہ! تم مانویانہ مانو، ہم تمہارے پیر ہو گئے ہیں۔“

یہ واقعہ بیان کر کے مفتی مظہر اللہ صاحب کے آنسو نکل آئے، اور اس وقت کی لذت کا

کچھ بیان کیا۔ اے

حضرت علیہ الرحمہ بالعموم سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت فرماتے تھے، مگر بعض طالبین اپنے

اپنے فطری رجحانات کے باعث دیگر سلاسل میں بھی بیعت ہوتے رہے۔

آپ کے خلفاء و سفراء بھی پاک و ہند کے مختلف شہروں میں موجود ہیں — حضرت

علیہ الرحمہ نے اپنی حیات طیبہ میں، بکثرت ہنود و نصاریٰ کو مشرف باسلام کیا۔ آپ کی زندگی کا یہ

باب نہایت ہی روشن و تابناک ہے۔ تقسیم ہند کے بعد جبکہ ہندوستان میں اسلام کی طرف دعوت

دینے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے مومنانہ بے باکی کے ساتھ بہت سے ہندوؤں کو حلقہ

بگوش اسلام کیا۔ حضرت علیہ الرحمہ کے ان فیوض و برکات پر روشنی ڈالتے ہوئے لاہور کے ایک

شاعر جناب کوثر صدیقی کہتے ہیں:

نگاہ فیض سے پتھر کو پارس کر دیا جس نے

بُرے انساں کو بھی بہتر سے بہتر کر دیا جس نے

وسعت مطالعہ

آپ کے کتب خانے میں تقریباً دس ہزار کتابیں تھیں، اور یہ سب کی سب آپ کی نظر

سے گزر چکی تھیں۔ چنانچہ آپ کے پوتے صاحبزادہ مولانا مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہ ایک مکتوب

میں لکھتے ہیں کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ ان سے فرماتے تھے:

”یہ ساری کتابیں میری نظر میں ہیں، اور ہر کتاب کی جگہ میرے ذہن میں ہے۔“

۱۔ زید ابوالحسن فاروقی: مقامات خیر، مطبوعہ دہلی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۶ء، ص ۳۸۹، ۳۲۷

نوٹ:۔ حضرت مولانا زید صاحب مدظلہ العالی، حضرت شاہ ابوالخیر قدس سرہ العزیز کے فرزند ارجمند اور جانشین

ہیں۔ اس وقت دہلی میں خانقاہ مظہریہ میں فیض رساں ہیں — مسعود

حضرت زید علیہ الرحمہ ۱۹۹۷ء میں وصال فرما گئے — طاہر

بغیر روشنی کے بھی اپنی مطلوبہ کتاب جگہ پر سے نکال سکتا ہوں۔۔۔ یہ ساری کتابیں
میں نے مطالعہ کی ہیں، اور ایک ایک کو پڑھتا رہا اور رکھتا رہا۔“
اس کے بعد صاحب زادہ صاحب لکھتے ہیں:

”میں نے حضرت کو خود دیکھا ہے کہ حضرت بغیر روشنی کے مطلوبہ کتاب باسانی
نکال لیتے تھے۔“

یہ تو وہ کتابیں تھیں جو مفتی اعظم کی ذاتی لائبریری میں موجود تھیں۔ سینکڑوں کتابیں وہ
بھی ہیں جو مطالعہ کے بعد ان کے مالکوں کو واپس کر دی گئیں۔ مفتی اعظم صبح سے شام بلکہ رات
تک مصروف رہتے تھے۔ سارا وقت لکھنے پڑھنے اور پڑھانے میں صرف ہوتا۔ اور یہ سلسلہ نصف
صدی سے زیادہ عرصہ تک جاری رہا۔ اس سے حضرت مفتی اعظم کے وسعت مطالعہ کا اندازہ لگایا
جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی اعظم کے فقہی فیصلوں اور مواعظ میں بڑی گہرائی، جامعیت اور
ہمہ گیریت ہوتی ہے۔ مخالف اور موافق سب اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

لاہور میں مفتی اعظم کا عرس ہوتا ہے۔ ایک عرس میں ”مواعظ مظہری“ سے جب
حضرت کا ایک وعظ سامعین کو سنایا گیا تو سب لوگ بے حد متاثر ہوئے اور سیالکوٹ کے ایک
پروفیسر محمد اجمل صاحب نے فرمایا:

”آج بہت عرصہ بعد وہ باتیں سننے میں آئیں جو حقیقتاً عقائد کی بنیاد ہیں اور جن کو

سننے کے لیے جی چاہتا تھا۔“

سلسلہ درس و تدریس

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ابتداء میں سلسلہ درس و تدریس بھی جاری رکھا۔

چنانچہ بکثرت طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔ جن میں:

حضرت مولانا حکیم مشتاق احمد حیدری

حضرت علامہ مفتی محمد محمود الوری

۱۔ مکتوب محررہ ۱۰ مارچ ۱۹۷۶ء از دہلی

۲۔ مکتوب مولوی محمد احمد قریشی، اکاؤنٹس آفیسر، لاہور

حضرت مولانا غلام قادر اشرفی۔

خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔۔۔ یہ تینوں حضرات سندھ اور پنجاب میں سلاسل عالیہ نقشبندیہ اور چشتیہ وقادریہ کے سجادہ نشین ہیں۔۔۔ ان کے علاوہ صاحبزادگان میں:

حضرت علامہ مفتی محمد مظفر احمد
حضرت مولانا منور احمد
حضرت مولانا محمد احمد
حضرت منظور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اور

حضرت مولانا مفتی محمد مشرف احمد (جامع مسجد فتحپوری، دہلی)

راقم الحروف محمد مسعود احمد
ڈاکٹر محمد سعید احمد

اور پوتوں میں:

مولانا محمد آصف جاہ
مولانا مفتی محمد مکرم احمد

مولانا محمد معظم احمد اور
مولانا محمد ظفر الدین

سلمہم اللہ تعالیٰ قابل ذکر ہیں۔۔۔ ان کے علاوہ اور بہت سے تلامذہ ہیں۔

امامت و خطابت

مسجد جامع فتحپوری^۱ (دہلی) کی امامت و خطابت کا سلسلہ شاہان مغلیہ کے زمانے سے حضرت علیہ الرحمہ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا۔۔۔ جد امجد علیہ الرحمہ سے قبل اُنکے برادرِ نسبتی

۱۔ جناب محمد صادق قصوری نے اپنی تالیف ”اکابر تحریک پاکستان“ (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۱۷۶) میں آپ کے

اساتذہ میں حضرت مفتی اعظم کا اسم گرامی لکھا ہے۔۔۔ مسعود

۲۔ یہ مسجد ۱۰۶ھ/۱۶۵۰ء میں شاہجہان بادشاہ کی اہلیہ فتحپوری بیگم نے تعمیر کرائی تھی۔ جو عرصہ دراز سے علمیت و روحانیت

کا مرکز ہے۔ تحریک آزادی ہند کے زمانے میں اس مسجد کو مرکزیت حاصل رہی ہے۔۔۔ تفصیلات کے لیے مندرجہ

ذیل مآخذ مطالعہ کریں:

① سرسید احمد خاں: آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی ۱۸۴۷ء، ص ۵۶

② بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی، مطبوعہ آگرہ، ۱۹۱۹ء، ص ۶-۲۲۲

③ منشی بلاقی داس: غنچہ عشرت، مطبوعہ دہلی، ۱۸۸۶ء

④ مرزا حیرت دہلوی: چراغ دہلی، مطبوعہ دہلی ۱۹۰۳ء، ص ۴-۳۵۱

حضرت مولانا غلام مصطفیٰ علیہ الرحمہ منصب امامت پر فائز تھے۔ ان سے قبل ان کے والد ماجد حضرت مولانا حیدر شاہ علیہ الرحمہ امامت فرماتے رہے۔

آپ کے جد امجد حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ، بہادر شاہ ظفر کے عہد حکومت میں اس منصب جلیلہ امامت و خطابت پر فائز ہوئے۔ آپ کے وصال کے بعد دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا احمد سعید علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) جانشین ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد چوتھے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرشید علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء) جانشین ہوئے۔

انیسویں صدی کے آغاز میں جب حضرت علیہ الرحمہ علم و فضل میں کامل ہو گئے اور جوان ہو گئے تو عہدہ امامت و خطابت آپ کو تفویض کر دیا گیا اور حضرت مولانا عبدالرشید صاحب سبکدوش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔

حضرت علیہ الرحمہ نے جس فرض شناسی اور پروقار طریقے سے متعلقہ فرائض کو انجام دیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ تقریباً ستر سال اس منصب پر فائز رہے۔ لیکن عملاً تقریباً نصف صدی امامت فرمائی۔

حضرت علیہ الرحمہ کی ذات گرامی سے یہ مسجد جو پہلے ہی علوم ظاہری و باطنی کا مرکز تھی، سرچشمہ علم و حکمت اور معرفت کا گہوارہ بن گئی۔ اور آپ کی شہرت کے ساتھ ساتھ مسجد فتحپوری کی عظمت و شوکت دوبالا ہو گئی۔ اور علوم ظاہری و باطنی کا ایک ایسا مرکز بن گئی جو اپنی نظیر آپ تھی۔

- ۱۔ یہ تمام تفصیلات حضرت کے جد امجد علیہ الرحمہ نے ضمناً اپنی قلمی تصنیف ”فتاویٰ مسعودیہ“ میں تحریر فرمائی ہیں۔
- ۲۔ حضرت مفتی اعظم کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد علیہ الرحمہ نے تقریباً ۲۵ سال نیابت امامت کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۴۷ء میں جب وہ پاکستان تشریف لائے تو یہ فرائض حضرت کے دوسرے صاحبزادے مولانا الحاج محمد احمد علیہ الرحمہ انجام دیتے رہے۔ حضرت جب ضعیف و نحیف ہو گئے تو پھر آپ ہی نے کلیتہً امامت کے فرائض انجام دیئے۔ آج کل حضرت مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد شرف احمد مدظلہ العالی اور پوتے مولانا محمد مکرم احمد سلمہ اللہ تعالیٰ (ابن حضرت مولانا محمد احمد علیہ الرحمہ) افتاء و امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مسعود

چنانچہ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے اس شعر میں مخالفین سے خطاب کرتے ہوئے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وہ کاش اس نکتہ کی تہہ کو پہنچ جائیں کہ دہلی میں

مسلمانوں کی عزت کی نشانی فتح پوری ہے ۱

حجاز کا ایک شاعر محمد شریف الہمی آپ کی مدح میں کہتا ہے:

محمّد مظہر اللہ الامینا

امام کامل يدعی بحق

فتح پوری مقام الذاکرینا

امام المسجد المشہور قدما

حضرت ضیاء القادری بدایونی نے بھی حضرت علیہ الرحمہ کی منقبت میں امامت و خطابت

اور عظمت و شہرت کا اس طرح ذکر کیا ہے:

گو خطیب باصفا مسجد فتح پوری میں ہیں

ایشیاء میں آپ کی عزت مگر ہے بے کراں

مسجد فتح پوری کو ہمیشہ سے مرکزیت حاصل رہی ہے۔ یہاں علماء و صوفیہ اور سیاست دان

سب ہی آتے رہے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ (م-۱۷۶۴ء) بھی

یہاں تشریف لائے ہیں۔ حضرت محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ

(م-۱۹۵۱ء) نے بھی اوائل عمر میں یہاں قرآن کریم سنایا۔ ۲

۱۔ ظفر علی خاں، مولانا: چمنستان، ص ۱۲۹

۲۔ تحریک آزادی ہند کے زمانے میں مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، قائد اعظم محمد علی

جناب، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا مظہر الدین

شہید، شہید ملت لیاقت علی خاں، علامہ عنایت اللہ مشرقی وغیرہ اور بہت سے علماء و سیاست دان آتے رہے۔ ان میں سے

بعض نے مسلسل تقریریں بھی کیں۔ مسعود

۳۔ رحیم بخش دہلوی: حیات ولی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۳۰۷

۴۔ سید حیدر حسین علی پوری: تذکرہ شہ جماعت، مطبوعہ ۱۹۷۳ء

ب: امین الدین: صوفیائے نقشبندیہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۳۵۲

حضرت علیہ الرحمہ کی اقتداء میں نماز میں وہ لطف آتا کہ باید و شاید۔ یکسوئی اور توجہ الی اللہ کا وہ عالم ہوتا کہ کہیں نہ دیکھا گیا اور نہ سنا گیا۔ حضرت مولانا حامد جلالی علیہ الرحمہ (از اولاد حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ) فرماتے تھے:

”مسجد فتحپوری میں حضرت کے پیچھے بیس تیس سال نمازیں پڑھیں، لیکن اس طویل عرصے میں حضرت کو کبھی سہو نہیں ہوا۔ یہ دلیل ہے حضرت کی توجہ کامل کی، اور یہ عظیم کرامت ہے۔“

جب یہ توجہ کامل میسر آ جائے تو نماز معراج المؤمنین کیوں نہ ہو، اور کیوں نہ اس نماز میں حضوری کی وہ کیفیت پیدا ہو کہ دل سینوں سے نکل پڑیں۔ حضرت جب تلاوت فرماتے، نزول وحی کا سماں بندھ جاتا، دل لرز نے لگتے، کلیجہ کا پنے لگتا۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی ذات گرامی سے یہ مسجد مرجع خاص و عام بن گئی تھی۔ ہندو بیرون ہند سے بے شمار فتوے چلے آتے اور انہیں فتوؤں کی روشنی میں مسلمانوں کے سیاسی اور غیر سیاسی معاملات طے کئے جاتے۔ اہل حاجت و ظائف و تعویذات کے لیے چلے آتے اور ان سب کی خدمت محض لوجہ اللہ کی جاتی اور کسی سے اپنی ذات کے لیے کچھ نہ لیا جاتا۔ ماہ رمضان المبارک اور ماہ ربیع الاول شریف میں اس مسجد کی رونق دیدنی ہوتی۔ حفاظ کی قرأت سے مسجد کی فضا میں گونجتی رہتی تھیں۔ ۱۲ ربیع الاول کی شب اور صبح کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی آمد آمد کی خوشی میں عجب اہتمام ہوتا۔ نماز فجر سے پہلے صلوٰۃ و سلام پر محفل ختم ہوتی۔ نماز فجر کے بعد منوں مٹھائی تقسیم کی جاتی، اور پھر صبح سے شام تک دیگوں کھانا کھلایا جاتا۔ یہ سب کچھ حضرت مفتی اعظم کی سرپرستی اور نگرانی میں ہوتا۔ اس مبارک موقع پر حضرت کی مسرت کا عالم دیدنی ہوتا۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ)

پاک و ہند میں روحانیت سے بھرپور ایسی مرنجاں مرنج محفل دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس محفل پاک میں اخلاص ہی اخلاص ہوتا۔ محبت ہی محبت ہوتی۔ چنانچہ مولانا محمد حسن حقانی (ممبر صوبائی اسمبلی، سندھ) کے جد امجد حضرت مولانا عبدالمجید علیہ الرحمہ التخلّص بہ حافظ،

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی منقبت میں فرماتے ہیں:

مولوی مظہر اللہ شیخ المسلمین طالب ذکر نبی ہیں اور خواہاں کچھ نہیں

وعظ و نصیحت

حضرت علیہ الرحمہ نے ساری عمر زبان و قلم سے تبلیغ اسلام کا اہم فریضہ ادا کیا —
لکھنے والے لکھتے ہیں، بولنے والے بولتے ہیں، مگر اہل اللہ کا بولنا اور لکھنا کچھ اور ہی چیز ہے:

— ان کی تقریر میں غضب کا جادو ہے،

— ان کی تحریر میں قیامت کی کشش ہے،

حضرت جمعہ کے جمعہ مختصر مجالس میں وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے، جو دلوں میں اتر جاتی تھی — مکاتیب گرامی میں جب کبھی موعظت کا باب کھلتا ہے تو تاثیر اپنا اثر دکھاتی ہے۔ یہ تاثیر و دل نشینی کہاں سے آئی؟ — حضرت ابوصالح حمدون علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

”لانہم تکلمون لعز الاسلام و نجات النفوس و رضاء الرحمن
و نحن نتکلم لعز النفس و طلب الدنيا و قبول الخلق۔“

”وہ جو کچھ فرماتے تھے، اسلام کی عزت، لوگوں کی نجات اور رضاء الہی کے لیے

فرماتے تھے — اور ہم جو کچھ کہتے ہیں عزت نفس، طلب دنیا اور مخلوق میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے کہتے ہیں۔“

محامد و محاسن

حضرت علیہ الرحمہ کی صفات حمیدہ انبیاء علیہم السلام کے محامد جلیلہ کی آئینہ دار تھیں۔ جو ان حضرات کے رنگ میں رنگ گیا، وہ اپنا پورا پورا اثر دکھاتا ہے، اور بسا اوقات حیرت انگیز انقلابات برپا کرتا ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی ذات گرامی میں سخا و رضا، صبر و سکوت، فقر و غربت سب ہی کچھ موجود تھا۔ اور یہ سب صفات انبیاء ہیں — حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”اما السخاء فلابراهيم واما الرضاء فلاسمعيل

واما الصبر فلايوب واما الاشارة فلزكريا واما الغربية فليحییٰ

اما الفقر فلمحمد صلى الله عليه وآله وسلم وعليهم اجمعين

” سخاوت حضرت ابراهيم عليه السلام سے،

رضاء حضرت اسمعيل عليه السلام سے،

صبر حضرت ايوب عليه السلام سے،

سکوت و خاموشی حضرت زکریا عليه السلام سے،

وطن میں غریب الوطنی حضرت یحییٰ عليه السلام سے، اور

فقر جناب محمد ﷺ سے مخصوص ہے۔“

حضرت علیہ الرحمہ نے جن اصول شرعیہ کو دستور حیات بنایا تھا، ان کا تقاضا تھا کہ آپ

کی ذات جامع صفات ہو۔ حضرت ابو محمد بن حسین حریری علیہ الرحمہ نے بڑی جامعیت

کے ساتھ ان اصولوں کو چند لفظوں میں سمودیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

دوام الايمان، قوام الاديان — وصلاح الابدان في ثلاثة خصال

الاكتفاء والاتقاء والاحتماء — فمن اكتفى بالله صلحت سيرته،

ومن اتقى ما نهى الله عنه استقامت سيرته ومن احتماء مالم يوافق

ارتاضت طبيعة — فثمرة الاكتفاء صفوة المعرفة وعاقبة الاتقاء

حسن الخليقة وغاية الاحتماء اعتدال الطبيعة

”ایمان کا دوام، دین کا قیام اور بدن کی اصلاح تین چیزوں پر مبنی ہے:

کفایت کرنا — پرہیز اختیار کرنا — غذا پر نگاہ رکھنا

— پس:

— جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ کو کافی سمجھے، اس کی عادت و خصلت اچھی ہو جائے گی،

— جو شخص منکرات سے پرہیز کرے، اس کی سیرت میں استقامت پیدا ہو جائے گی، اور
— جو شخص غذا پر نگار کھے، اس کا نفس ریاضت قبول کرے گا۔

— پس:

— اکتفا کا ثمرہ معرفت کی صفائی ہے،

— پرہیزگاری کا انجام حُسنِ خلق ہے، اور

— غذا میں احتیاط کا نتیجہ تندرستی اور اعتدالِ طبیعت ہے۔“

حضرت علیہ الرحمہ کی صفات جمیلہ کے جلوے مکاتیب گرامی میں نظر آتے ہیں۔

بے مثالی کی ہے مثال وہ حسنِ خوبی یار کا جواب کہاں!

حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید باصفائے ”جلاء الخواطر“ کے نام سے آپ کے خاص ملفوظات جمع کیے ہیں۔ یہ ملفوظات پڑھ رہا تھا۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان ملفوظات میں اللہ کے محبوبوں کے فضائل و خصائل کا ذکر فرمایا ہے۔ پڑھ پڑھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ حضرت مفتیِ اعظم علیہ الرحمہ کے فضائل و خصائل کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ ایک ایک بولی دل پر اثر کرنے والا، ایک ایک بات من میں گھر کرنے والی۔

چند ملفوظات پیش کرتا ہوں۔ ان میں کوئی بات ایسی نہیں جو حضرت مفتیِ اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت پاک میں نہ پائی جاتی ہو۔ یہ باتیں ایسی ہیں جو سنائی جائیں اور سننی چاہئیں۔ ان باتوں سے انسان بنتے اور سنورتے ہیں۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

① مومن کے لیے ایک مخصوص نور ہے، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (ص ۱۱)

② سر کی آنکھ دنیا میں مست رہتی ہے، دل کی آنکھ آخرت میں مست رہتی ہے، سر اور

روح کی آنکھ اللہ تعالیٰ کی معیت میں مستی رہتی ہے۔ (ص ۹۴)

③ اپنے نفس کی آنکھ کھول اور اس سے کہہ کہ اپنے عزت و جلال والے پروردگار کو تو دیکھ

تجھے کیسے دیکھ رہا ہے؟۔ (ص ۷۴)

④ شرم کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی خلوتوں میں اپنے عزت و جلال والے پروردگار سے شرم

کرو تا کہ خالق سے حیا، مخلوق کی حیا کے تابع ہو جائے۔

- 5 ہر مرض کی دو توجہ الی اللہ اور دنیا کی محبت سے پیٹھ پھیرنے میں ہے۔ (ص ۷۲)
- 6 زہد اور دنیا سے بے رغبتی زاہدوں اور فرمانبردار بندوں کے دل کا چین ہے۔ (ص ۲۲)
- 7 اے اللہ کے بندو! اپنی عادت و خصلت کے خانوں سے نکلو۔ (ص ۲۷)
- 8 مرید توبہ کے سایہ میں قائم رہتا ہے مگر مراد اللہ کی عنایت کے سایہ میں قائم ہوتی ہے۔ (ص ۳۰)

ان ملفوظات کی روشنی میں جب ہم حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک نور عطا فرمایا تھا جس کی روشنی میں وہ دیکھتے تھے، ان کی نظر صرف اور صرف اللہ اور صرف اللہ پر تھی۔ وہ سمجھتے تھے اسی کو دیکھا جائے جو ہم کو دیکھا رہا ہے۔ وہ اللہ کے بندوں کے سامنے شرمائے شرمائے رہتے تھے۔ ان کی یہ حیا اللہ سے شرم و حیا کے تابع تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ سارے دکھوں کا علاج توجہ الی اللہ اور دنیا کی محبت سے پیٹھ پھیرنے میں ہے۔ وہ اپنی عادات کے خانوں سے نکل کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سے مزین تھے۔ وہ ابتداء میں مرید تھے لیکن پھر مراد ہو گئے اور اللہ کی عنایت کے سایہ میں جینے لگے۔

مرجعیت

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی اللہ کے بندوں کے لیے نمونہ تھی۔ وہ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، جب بدایوں، بریلی اور فرنگی محل وغیرہ میں چراغ روشن تھے۔ دہلی میں بھی ان کے اجداد کے دم سے چراغ روشن تھے۔ ان کی زندگی منظم و مربوط تھی جیسے موتی کی لڑی۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک ایک ایک گھڑی کا حساب رکھتے تھے، وقت کو بے دریغ خرچ نہیں کرتے تھے کہ یہ بڑی دولت ہے، جس نے وقت کی قدر کی، وقت نے اس کی قدر کی۔ ان کا طریقہ تعلیم و تربیت بھی نرالا تھا۔ نظروں سے تربیت فرمائی۔ اقبال نے اس راز سے یوں پردہ اٹھایا ہے:-

تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گہہ محبت وہ نگہ کا تازیانہ
جدید تہذیب و تمدن نے قدیم قدروں کو برباد کر کے رکھ دیا۔ آدمیوں کو جانوروں سے قریب کر
دیا۔ انسان سے دور کر دیا۔

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ متقدمین اہل سنت و جماعت کے مسلک پر عمل پیرا تھے۔
حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ (م۔ ۱۶۲۴ء) کے اخلاف کرام اور حضرت مولانا امام احمد رضا
خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ (م۔ ۱۹۲۱ء) کی اولاد امجاد، خلفاء کبار اور تلامذہ کرام سے خصوصی
تعلقات تھے۔

آپ اخلاق محمد ﷺ کے آئینہ تھے۔ آپ نے اپنے مثالی تقویٰ اور علم و فضل سے وہ مقام
پیدا کیا جو معاصرین میں بہت کم علماء کو حاصل ہوا۔ امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے
خليفة صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں جاری ہونے والے
ماہنامہ ”السواد الاعظم“ مراد آباد میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو اس طرح خراج عقیدت پیش
کیا گیا ہے۔

”حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی شاہ محمد مظہر اللہ صاحب جیسا پاک سیرت شخص
سرزمینِ دہلی میں رحمتِ خدا ہے۔ وہ ایک ولی صفت بزرگ ہیں۔“^۱
اخبار ”دبدبہ سکندری“ رام پور کے مدیر مولانا شاہ محمد فضل حسن صابری لکھتے ہیں :
”ہر مسلمان جسے اکابر کرام کی قدر ہو، اسے ہر صبح و شام بارگاہِ الہی میں حضرت والا
کی ایسی ہستی مقدس کے لیے تضرع و زاری سے دعائیں کرنا لازم ہے۔ ایسی ذات

۱۔ انوار مظہریہ، ص ۳۴/۳۵

۲۔ (شمارہ شعبان المعظم ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۲ء، ص ۲۲)

ب: محمد عبد الحکیم شرف قادری: تذکرہ اکابر اہل سنت، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۱۴۳

قدسیہ اب زمانہ ہزار کاوشوں سے بھی پیدا نہ کر سکے گا۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جن کے دم قدم کی برکتیں ہم ایسے بد کرداروں کے لیے امن و سلامتی کا پیغام ہیں۔ خدا آپ کا اور آپ کے ارباب صدق و صفا کا سایہ مکرمت تادیر دراز رکھے۔ آمین! ۱

فقیر کے والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ خانقاہی تعصبات سے بہت بلند تھے، تمام سلاسل کے مشائخ سے مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے، جن کی فہرست بہت طویل ہے۔ ۲

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ دہلی میں اہل سنت و جماعت کا مرجع تھے۔ اس وقت ماضی کے جھروکے سے چند علماء و مشائخ کی حسین صورتیں نظر آرہی ہیں۔ ان کے اسماء گرامی پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین کرام کو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی مرجعیت اور عظمت کا اندازہ ہو جائے اور تاریخ کا یہ حصہ بھی محفوظ ہو جائے۔ شاید آگے چل کر کوئی محقق اس پہلو پر کام کر سکے۔

بکثرت علماء و مشائخ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے،

مثلاً:

- | | |
|-----------------------------------------------|-------------------------------------------------|
| ● نور المشائخ حضرت ملا شور بازار کابلی | ● صدر المشائخ فضل عثمان مجددی |
| ● مولانا محمد ہاشم جان مجددی | ● مولانا امجد علی اعظمی |
| ● حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں بریلوی | ● علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی |
| ● برہان ملت برہان الحق جبل پوری | ● ابوالبرکات سید احمد قادری |
| ● ابوالحسنات مولانا محمد احمد قادری | ● صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی |
| ● تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی | ● مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم میرٹھی صدیقی |
| ● مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی | ● ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری رضوی |
| ● مولانا زین العابدین نقشبندی | ● مولانا محمد عارف اللہ میرٹھی |
| ● مولانا محمد علی جوہر | ● مولانا شوکت علی |
| ● مولانا معین الدین اجمیری | ● آغا عبداللہ جان مجددی |

۱۔ شمارہ ۹ جولائی ۱۹۴۷ء، ص ۶

۲۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر:

ابتدائیہ ”مجدد ہزارہ دوم، ص ۷۷، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۷ء

- پیرسید جماعت علی شاہ محدث علی پوری
 - مفتی عبدالحفیظ آروی
 - مولانا عبدالسلام باندوی
 - مولانا عبدالحامد بدایونی
 - مولانا محمد اجمل سنبھلی
 - مولانا نذیر الاسلام
 - مولانا محمد ظفر علی نعمانی
 - سیف الاسلام مولانا منور حسین
 - مولانا محمد جماعت علی میرٹھی
 - مولانا رجب علی نانپاروی
 - مولانا ناصر جلالی
 - مولانا عبدالکھٹان سرحدی
 - خواجہ حسن نظامی
 - شاہ کرار حسین
 - مولانا محمد شفیع وارثی
 - مولانا ابوالحسن زید فاروقی
 - مولانا عبدالغفار دہلوی
 - مولانا محمد حسین فیروز آبادی
 - محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد لائل پوری، وغیرہ وغیرہ
 - الغرض برصغیر کے اکثر علماء و مشائخ اہل سنت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔
- ان میں:
- علمائے بدایوں بھی تھے،

● علمائے بریلی بھی تھے،

● علمائے مارہرہ شریف اور کچھوچھو شریف بھی تھے،

● علمائے فرنگی محلی بھی تھے،

● علمائے میرٹھ اور اجمیر شریف بھی تھے۔

مفتی اعظم کو معاصرین علماء و صوفیہ اور سیاستدان قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ افغانستان کے شیخ طریقت ملا شور بازار کابلی کے صاحبزادے حضرت صدر المشائخ مولانا فضل عثمان صاحب مجددی علیہ الرحمہ نے جب لاہور میں اپنے دولت کدے پر مفتی اعظم کو مدعو کیا۔ عینی شاہد کا بیان ہے کہ جب مفتی اعظم واپس تشریف لے جانے لگے تو صدر المشائخ نے حضرت کی نعلین مبارک پیش کیں۔

میدان سیاست کے شہسوار مولانا محمد علی جوہر سے کون واقف نہ ہوگا۔ جب وہ جیل سے رہا ہوئے تو مسجد فتحپوری میں حاضر ہوئے اور مفتی اعظم کے پیچھے نماز عصر پڑھی۔ نماز کے بعد نہایت خلوص و محبت اور عقیدت سے مصافحہ کیا۔ چنانچہ علامہ مفتی محمد محمود مدظلہ (ابن شاہ رکن الدین الوری قدس سرہ) روایت فرماتے ہیں کہ مفتی اعظم نے فرمایا:

”محمد علی کے مصافحہ میں عقیدت و خلوص محسوس کیا۔“^۲

اس لیے دہلی و بیرون دہلی کے دوسرے مسلک کے علماء بھی نہایت خلوص و محبت سے حاضر ہوتے تھے۔ وہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مثالی تقویٰ، تبحر علمی اور حق گوئی و بے باکی کے دل سے معترف تھے۔ مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم فرماتے تھے:

”تقویٰ و پرہیزگاری میں حضرت امام صاحب کی نظیر نہیں۔“^۳

اسی طرح مولوی محمد الیاس مرحوم فرماتے تھے:

۱۔ حرف اول ”باقیات مظہری“، ص ۷، ۸، مرتبہ محمد عبدالستار طاہر، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۲ء

۲۔ مولانا محمد علی جوہر کے حالات کے لیے انگریزی کتاب ”محمد علی“ مطبوعہ مدراس ۱۹۲۰ء ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ یہ قول اس شخص نے نقل کیا تھا جو مرید ہونے کے لیے مفتی صاحب کے پاس پہنچا تھا اور پھر انہوں نے مدحیہ کلمات کے ساتھ اس کو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی طرف رجوع کیا تھا۔ مسعود

علیہ الرحمہ کی خدمت میں تشریف لاتے تھے۔ مسجد فتح پوری، دہلی علماء اہل سنت کا ایک عظیم مرکز تھا اور ہے۔ اب حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے پوتے علامہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہ آپ کی مسند پر رونق افروز ہیں۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ہمیشہ اپنا دروازہ اللہ کی مخلوق کے لیے کھولے رکھا اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل کیا، آخر وقت تک اللہ تعالیٰ کے بندوں کو محروم نہ رکھا۔ تندرستی اور صحت کے زمانے میں ملاقات کے لیے کافی وقت عطا فرماتے مگر ضعیفی اور بیماری کے زمانے میں عصر سے مغرب تک کا وقت ملاقات کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی پاک زندگی ہم سب کے لیے نمونہ تھی اور ہے۔ آپ کی طبیعت میں حیرت انگیز اعتدال و توازن تھا، جو آپ کے معاصرین علمائے اہل سنت میں ماسوائے چند حضرات کے نایاب تھا۔ آپ اپنے مخالف کو دشمن نہیں بلکہ مریض سمجھتے تھے۔ بہت سے امراض روحانیہ کے مریض آپ کی صحبت سے مستفیض ہو کر شفا یاب ہوئے۔ آپ نے اپنے ایک خلیفہ کو جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا، اس کے مندرجات سے مخالفین کے بارے میں آپ کے طرز عمل پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”پھر میں مکرر کہتا ہوں کہ تمہیں دینی خدمت کرنی ہے۔ کہیں خاک بنو،

کہیں شیر و شکر۔۔۔ جب تک وہ بد عقیدہ تمہارے پاس نہ آئے گا، تب تک کیسے اسے

ہدایت کر سکو گے؟۔۔۔ کسی کی بات ناگوار گزرے تو اس کو ٹال دیں۔“

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی اسی عارفانہ رواداری اور عالمانہ میانہ روی کی وجہ سے مخالف و موافق سب آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

عشق نبوی ﷺ

حضرت علیہ الرحمہ کی ذات گرامی گونا گوں صفات سے متصف تھی، بلکہ مجمع صفات حسنہ تھی۔ حضرت علیہ الرحمہ کی ذات گرامی پر عشق نبوی ﷺ محیط تھا۔ اسی عشق نے اتباع سنت کی معراج پر پہنچا دیا تھا۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، ہنسنا بولنا، ہر قول و فعل آئینہ دار

شریعت تھا۔ غرض کوئی ادا ایسی نہ تھی جو ادائے محبوب (ﷺ) کے خلاف ہو۔
اتباع شریعت کی اسی صفتِ جلیلہ کا مختلف شعراء نے ذکر کیا ہے۔ حضرت زیبا ناروی
فرماتے ہیں:

شریعت کا جو حامل ہے، طریقت میں جو کامل ہے
رسول اللہ کی سچی محبت جس کی منزل ہے

اور جناب کوثر صدیقی فرماتے ہیں:

گل شریعت کے جس میں کھلتے تھے
وہ گلستان تھے مظہر اللہ شاہ

عبادات کا یہ حال تھا کہ چودہ سال کی عمر سے (اپنے پیر و مرشد حضرت سید صادق علی
شاہ علیہ الرحمہ سے بیعت کے بعد سے آخر تک) کبھی نماز تہجد ترک نہیں فرمائی۔ گویا ۱۳۸۶ھ/
۱۸۹۹ء سے ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء تک تقریباً ستر سال پابندی کے ساتھ نماز تہجد ادا فرمائی۔
جب سنن کی ادائیگی کا یہ اہتمام تھا تو پھر فرائض کی پابندی کا کیا عالم ہوگا؟

ولایقظان الاہل الحق مع الرحمن ہم فی کل حال
حظو بالذات والوصاف طرّا تعاضم شانہم فی ذی الجلال
اخلاقیات میں حضرت علیہ الرحمہ اخلاق نبوی ﷺ کے مظہر کامل تھے۔ دوست تو
دوست دشمن بھی آپ کی عنایات و نوازشات سے محروم نہ تھے۔ آپ عملاً ان کی مدد فرماتے اور ان
کی زیادتیوں سے مسلسل درگزر فرماتے:

آسائش دو گیتی تفسیر میں دو حرف است

بادوستاں مروّت، بادشمنان مدارا!

جناب گلزار دہلوی نے حضرت علیہ الرحمہ کے اسی جذبہ صلہ رحمی کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے کہا ہے:

اپنے تو پھر اپنے ہیں، اپنوں کا ذکر کیا
غیروں کی زبان پہ بھی شہرہ تمہارا ہے

معاملات کی یہ کیفیت تھی کہ دوست و دشمن سب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ فرماتے۔ اپنے و بیگانے کی رعایت نہ فرماتے۔ پیکر صدق و صفا تھے۔ اولاد سے زیادہ مریدین و محبین پر مہربان تھے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں:

”میرا حال یہ ہے کہ میں دوستوں کو اپنی اولاد ہی کی جگہ سمجھتا ہوں۔ بلکہ خدا نخواستہ اگر اولاد میں کوئی نافرمان ہو جائے، جب تو تم میرے نزدیک ایسی اولاد سے بڑھ جاؤ گے۔“

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی

اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

حضرت علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں عشق نبوی ﷺ کی جھلک ہر مقام پر نظر آتی ہے۔

آن حضرت ﷺ سے حضرت علیہ الرحمہ کو جو کمال عشق تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

”اولاد کی تربیت میں والدین دور جدید کے تقاضوں کے تحت ان کے لیے وہ کچھ

سوچتے اور کرتے ہیں جو مادی ترقی میں معین ہو۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی اولاد

کے لیے کبھی اس انداز سے نہیں سوچا بلکہ اگر کسی نے مشورہ بھی دیا تو اس کو رد فرما دیا

— ہاں چاہا تو یہی چاہا، اور سوچا تو یہی سوچا کہ:

— اولاد میں وہ لیاقت پیدا ہو جائے کہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی صفت و ثناء میں رطب اللسان

نظر آئے،

— اس کی زبان ترجمانِ محبت ہو،

— اس کا ایک ایک عمل ترجمانِ سنت ہو،

— بس یہی دل کی آرزو تھی۔ چنانچہ ”مواظظ مظہری“ اسی بے مثال جذبے کے آئینہ دار ہیں۔

کوئی محفل ایسی نہ تھی جو عشق و محبت کی جھلک سے خالی ہو۔ خصوصاً وہ مجالس جو جمعہ کے

۱۔ مکتوب بنام ذکر الرحمن، کراچی، مرسلہ ۱۸ مارچ ۱۹۵۷ء

دن مسجد فتحپوری کے جنوب مغربی گوشے میں حجرہ شریف میں منعقد ہوتی تھیں، اور اس مجلس پاک کی تو عجب شان ہوتی، جو ۱۲ ربیع الاول کی شب کو ہر سال مسجد فتحپوری میں منعقد ہوا کرتی تھی۔ محفل کیا ہوتی، سراپا عشق ہوتی۔

کلا ولا تنس الحدیث فجہم

قصص السبابة لم تنزل قرانہ

۱۲ ربیع الاول کی جس مجلس خاص کا اوپر ذکر کیا گیا، اس میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے علماء کرام تشریف لایا کرتے تھے۔ مگر محبت و شوق سے حضرت علیہ الرحمہ کبھی کبھی فرمایا کرتے: ”دل تو چاہتا تھا کہ گھر ہی میں ایسے لائق افراد پیدا ہو جائیں کہ باہر سے علماء کرام کو بلانے کی ضرورت نہ رہے۔“

چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ کی مشفقانہ تربیت نے گھر میں ایسے افراد پیدا کر دیئے اور حضرت علیہ الرحمہ کی یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔

جمعة المبارک کی محافل میں نعت خوانی اور قرأت کے دوران عجب رقت انگیز عالم ہوتا، اور جب حضرت ارشادات گرامی سے نوازتے تھے تو ایک ایک حرف قلب و جگر کے پار ہوتا تھا۔

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی

دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

دہلی میں بانی محفل عید میلاد النبی ﷺ

مفتی اعظم اہل سنت و جماعت کے ایک جلیل القدر عالم تھے۔ وہ سلف صالحین کے مسلک مستقیم کے پیرو تھے، اور رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشق تھے۔ انہوں نے ۱۹۳۰ء سے قبل دہلی میں محفل عید میلاد النبی ﷺ کا آغاز فرمایا۔

— حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی علیہ الرحمہ بھی پابندی سے یہ محفل منعقد فرماتے تھے، اور کھڑے ہو کر سلام بھی پڑھتے تھے۔

— شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ جن کو انتقال کیے تین سو تریسٹھ (۳۶۳) برس

گزر چکے ہیں۔ وہ بھی محفل میلاد منعقد کرتے تھے، صلوٰۃ و سلام کھڑے ہو کر پیش کرتے تھے۔ یہ بات ”اخبار الاخیار“ میں لکھی ہے۔

— مفتی اعظم بھی ان بزرگوں کی طرح بڑے اہتمام سے محفل میلاد منعقد کرتے (عشاء کی نماز کے بعد اذان فجر تک) اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرتے۔ جس میں ہر مسلک کے لوگ شریک ہوتے کہ اس محفل کی روحانیت کا عجب عالم تھا۔ ایسی پاکیزہ محفلیں اب دیکھنے کو نہیں ملتیں۔ اس محفل میں بڑے بڑے مشائخ و علماء شریک ہوتے تھے۔ مثلاً:

شاہ رکن الدین الوری	خواجہ عبدالصمد چشتی	مفتی محمد محمود الوری
مولانا محمد عبدالسلام نقشبندی	مولانا محمد طاہر اشرف جیلانی	مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی
مولانا محمد عمر نعیمی	مولانا عماد الدین سنبھلی	مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی
مولانا عبدالجید آروی	مولانا عبدالعلیم صدیقی	مولانا عبدالحفیظ آروی
مولانا محمد عارف اللہ میرٹھی	مولانا غلام جیلانی میرٹھی	

اور صاحبزادگان میں:

مفتی محمد مشرف احمد

مولانا مفتی محمد مظفر احمد

مولانا منور احمد

مولانا محمد احمد

وغیر ہم علیہم الرحمہ — یہ ایک طویل فہرست ہے۔ یہ محفل اب مفتی ڈاکٹر محمد مکرم احمد شاہی امام مسجد فتحپوری کی سرپرستی میں ہوتی ہے۔

دہلی میں جلسہ عید میلاد النبی ﷺ کا انعقاد ہوا، جو عید میلاد النبی ﷺ کے مخالفین کو گراں

گزرا۔ چنانچہ انہوں نے اس کے خلاف مہم چلائی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مدیر ماہنامہ ”السواد الاعظم“ مراد آباد (شمارہ شعبان ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۲ء) لکھتے ہیں:

”حضرت سراپا برکت، جامع کمالاتِ صوریہ و معنویہ مفتی اعظم حضرت مولانا شاہ

محمد مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتحپوری کے خلاف پروپیگنڈا شروع کیا اور عوام کو ان کی

طرف سے برہم کرنے کے لیے یہ چھاپ دیا کہ ان کے زیر اہتمام بارہ ربیع الاول کو

عید میلاد کا جو جلسہ ہوا کرتا ہے، اس میں بہت تبرا کیا جاتا ہے۔ مگر یہ باتیں غلط اور

باشندہ عید میلاد کے معنی بھی اپنے ذہن و فکر میں نہ لاتا تھا۔ حضرت قبلہ مفتی اعظم دہلی مدوح کی مساعی جمیلہ کا ہی آج اثر ہے کہ جگر ہی نہیں دگر بھی اس نعمتِ عظمیٰ کی اُلش نوش کرنے لگے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہمارے سٹیج پر ان محافل مبارکہ کا نام ”میلاد النبی“ پکارا جاتا ہے اور ان کا سٹیج ان مجالس کو ”سیرۃ النبی“ کہتا ہے۔“

جیسا کہ عرض کیا گیا جلسہ عید میلاد النبی ۱۹۳۳ء سے بہت پہلے قائم کیا گیا تھا۔ ماہنامہ ”السواد الاعظم“ مراد آباد، شمارہ صفر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں اس جلسے کے متعلق لکھا ہے کہ کئی سال سے ہو رہا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جلسہ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کے درمیان کسی وقت قائم کیا گیا۔ اس جلسے کی صدارت مفتی اعظم خود فرماتے تھے۔ جیسا کہ ”دبدبہ سکندری“ کی اس رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے اور خود راقم کا بھی یہی مشاہدہ رہا ہے:

”۱۱ ربیع المعظم ۱۳۶۶ھ/مطابق ۳ فروری ۱۹۴۷ء بروز دوشنبہ بعد نماز عشاء مسجد فتحپوری میں زیر اہتمام وزیر صدارت امام اہل سنت حجتہ الاسلام مفتی اعظم حضرت الحاج مولانا مولوی قاری و حافظ شاہ محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی مجددی مدظلہ العالی شاہی امام مسجد فتحپوری دہلی و بانی اجلاس عید میلاد النبی، دہلی جلسہ پاک عید میلاد النبی منعقد ہوا۔“

اگرچہ مفتی اعظم صدارت فرماتے تھے مگر طریقہ کار یہ تھا کہ سوائے مقرر و واعظ، سب مہمان علماء اور خود مفتی اعظم زمین پر بیٹھتے تھے۔ اسٹیج پر صرف مقرر بیٹھتا تھا۔ یہ مجلس اخلاص و محبت اور ادب و احترام کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔ نو عمری میں راقم بھی ان محفلوں میں شریک ہوا ہے، اور ان بہاروں کو دیکھا ہے جن کا تصور بھی بہارتازہ سے کم نہیں۔

جلسہ نماز عشاء کے بعد شروع ہوتا، رات بھر رہتا، اذان فجر سے قبل ختم ہو جاتا۔ نماز فجر کے بعد تقریباً دس من شیرینی تقسیم ہوتی۔ پھر دن بھر پروگرام رہتا۔

۱۔ دبدبہ سکندری، ۲۶ فروری ۱۹۴۷ء، ص ۶

۲۔ دبدبہ سکندری، ۱۴ فروری ۱۹۴۷ء، ص ۴

جن حضرات نے اس جلسہ عید میلاد النبی ﷺ میں شرکت کی ہے، وہ برسوں گزر جانے کے باوجود ابھی تک اس کو نہ بھلا سکے۔ ان کی نظر میں ابھی تک مفتی اعظم کی نورانی صورت گھوم رہی ہے۔ — حسن اتفاق مقالہ ہذا کی تیاری کے دوران جامع مدینہ، لاہور کے ایک عالم مولانا مبین احمد کا مکتوب گرامی (محررہ ۲۷ جون ۱۹۷۸ء) غیر متوقع طور پر موصول ہوا۔ یہ پہلا خط ہے جو اپنی زندگی میں انہوں نے راقم کو لکھا۔ وہ پاکستان آنے کے تیس سال بعد پہلی مرتبہ دہلی حاضر ہوئے۔ — کیوں؟ — اس سوال کا جواب انہیں کی زبانی سنئے:

”لیکن مجھے جو چیز کھینچ کر لے گئی تھی وہ حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کی روحانیت تھی۔ چالیس سال پہلے کی بات ہے، میلاد النبی ﷺ کی تقریب میں گیارہویں شب کو میں رات بھر مسجد فتحپوری میں رہا۔ سیرت پاک کے موضوع پر تقاریر ہوتی رہیں۔ لیکن حضرت مولانا مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ عشاء سے صبح صادق تک مجلس میں شریک رہے اور خاموشی سے درود پاک پڑھتے رہے۔ —

ان کی صورت اور سیرت یاد آتی ہے۔ وہ ایک شریف، نفیس اور پاکیزہ مزاج انسان تھے۔ اللہ نے ان کو مرجع خلافت بنایا تھا۔ خاص و عام ان کی طرف رجوع ہوتے تھے۔ میں نے ان کو اکثر شادیوں میں بھی دیکھا ہے، سکون کی کیفیت ان کے ساتھ رہتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ان کو نسبت سیکنے نصیب فرمائی تھی۔ میں نے ایک صاحب سے سنا تھا کہ قرب کا دار و مدار ہے:

تقویٰ پر اللہ کی یاد پر اخلاص پر، اور اطاعت پر،

یہ چاروں چیزیں ان کی ذات میں جمع تھیں۔“

آپ نے مولانا مبین احمد کے تاثرات ملاحظہ فرمائے۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی پاک سیرت، تاثیر صحبت اور وسعت قلبی کے اذکار سننے اور عید میلاد النبی ﷺ کی پُر کیف محفل کا حال پڑھا۔ آئیے تھوڑی دیر کے لیے پھر اسی مجلس عید میلاد النبی کا ذکر کریں۔

اس جلسے کی خصوصیت یہ تھی کہ اور علماء کے علاوہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے خلیفہ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ ابتداء سے آخر تک ہر

سال تشریف لاتے تھے۔ حالانکہ ہندوستان کے دوسرے شہروں میں ان کی بے حد طلب تھی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے ماہنامہ ”السواد الاعظم“ میں لکھا ہے:

”ربیع الاول کی بارہویں شب کئی سال سے دہلی کے حصے میں آگئی ہے اور وہاں حضرت مولانا مولوی محمد مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتحپوری اور حضرت صوفی عبدالصمد صاحب دونہایت مقدس ہستیاں ہیں اور حضرت صدر الافاضل مدظلہ کو ان حضرات کے ساتھ بہت محبت و مودت ہے، اس لیے باوجود نہایت کشمکش کے وقت یہ دہلی کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے۔“

ایک اور شمارے میں لکھا ہے:

”حضرت مفتی اعظم کو صدر الافاضل سے بڑی محبت تھی۔ ان کے وصال پر ۲۵

ذوالحجہ ۱۳۲۸ھ یوم جمعہ مسجد فتحپوری میں تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا۔“

حضرت صدر الافاضل کے علاوہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ بھی کبھی کبھی تشریف لاتے تھے۔ چنانچہ ”دبدبہ سکندری“ کے شمارہ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ/۱۴ فروری ۱۹۴۷ء کی ایک محفل میں شرکت کا ذکر ہے۔ علماء اسلام میں:

حضرت مولانا محمد عماد الدین سنبھلی مولانا عبدالجید آروی

مولانا عبدالحفیظ آروی علامہ مفتی محمد محمود الوری

اور بہت سے دوسرے علماء تشریف لاتے۔ جلسہ عید میلاد النبی مستقل ایک مقالہ کا مقتضی ہے۔

جلسے کے علاوہ جلوس عید میلاد النبی کا اجراء بھی مفتی اعظم علیہا الرحمہ کی تائید و حمایت سے دہلی میں ہوا۔ اس کے متعلق خواجہ سید محمد حسن صاحب زیدی نقشبندی ناظم اطلاعات مجلس عید میلاد النبی، صوبہ دہلی اظہار خیال کرتے ہوئے ”دبدبہ سکندری“ میں لکھتے ہیں:

”اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ۱۹۳۲ء میں حضرت مولانا ناصر جلالی دامت برکاتہم

۱۔ ماہنامہ السواد الاعظم، مراد آباد، شمارہ صفر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء۔

۲۔ ماہنامہ دبدبہ سکندری، رام پور، شمارہ ۸/محرم ۱۳۶۸ھ/۱۱ نومبر ۱۹۴۸ء۔

کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح بمبئی اور احمد آباد وغیرہ میں عید میلاد النبی کے جلوس پاک نکلتے ہیں۔ اسی شان سے دہلی میں بھی جلوس مقدس کی ابتداء کی جائے۔ چنانچہ اس خیال کو مولانا موصوف نے اعلیٰ حضرات حجۃ الاسلام امام اہل سنت و جماعت مفتی اعظم حضرت مولانا مولوی حافظ الحاج شاہ محمد مظہر اللہ صاحب قبلہ مجددی نقشبندی شاہی امام مسجد فتحپوری دہلی مدظلہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اس کی سرپرستی فرما کر اس مبارک جلوس میں شرکت فرمائیں حضرت قبلہ نے اس پاک خیال کی تائید فرماتے ہوئے فرمایا:

”جناب کا خیال تو بہت اچھا ہے لیکن عام طور پر جو جلوس نکل رہے ہیں، ان کی نوعیت پر نظر رکھتے ہوئے چونکہ میں ان کو اپنے مسلک کے خلاف پاتا ہوں، اس لیے میں خود تو معافی چاہتا ہوں لیکن آپ کو منع نہیں کر سکتا کہ آپ کا خیال تو خلوص ہی پر مبنی ہے“

اس موقع پر حضرت صدر الافاضل استاد العلماء مولانا مولوی مفتی الحاج شاہ حکیم حافظ محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مدظلہم مفتی مراد آبادی بھی حضرت قبلہ کے پاس تشریف رکھتے تھے، انہوں نے بھی اس کی تائید فرمائی۔“

گویا مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مشورے اور صدر الافاضل کی تائید سے اس جلوس کی بنیاد مولانا سید ناصر جلالی مرحوم نے رکھی۔ بعد میں حکیم سید دلبر حسن اور مفتی اعظم کے بڑے صاحبزادے علامہ مفتی محمد مظفر احمد دہلوی نے بحیثیت صدر مجلس عید میلاد النبی اس کی قیادت کی، جیسا کہ دبدبہ سکندری کے شماروں ۱۵ مارچ ۱۹۴۷ء اور ۲۶ فروری ۱۹۴۷ء سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایک موقع پر جب جلوس کی قیادت میں اختلاف رائے ہوا تو مفتی اعظم سے پھر مولانا ناصر جلالی نے عرض کیا کہ قیادت فرمائیں۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ جس کو ”دبدبہ سکندری“ میں اس طرح نقل کیا گیا ہے:

”میری ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ جلوس تبلیغی شان کا حامل ہو۔ اس میں شرکت کے لیے علماء کو دعوت دی جائے اور وہ وسیع مقامات پر تبلیغی تقاریر فرماتے جائیں اور

غیر مسلموں پر اسلام کی حقانیت اور حضور کے اسوۂ حسنہ پر روشنی ڈالتے ہوئے بتلاتے جائیں کہ اسلام نے ان کو کیا حقوق دیئے ہیں، اور حضور نے اپنے مخالفین پر غالب آنے کے بعد ان سے کیا سلوک کیا ہے، اور ہمیں کس سلوک کا سبق دیا ہے۔

بجائے فلاں زندہ باد اور فلاں مردہ باد کے، نہایت وقار کے ساتھ مولائے کریم کی وحدانیت اور اس کے رسول رؤف الرحیم کی رسالت عامہ کا اعلان کرتے جائیں۔ پھر اس جلوس کا اختتام بھی ایک ایسے عظیم الشان جلسے پر ہو، جس میں غیر مسلموں کی کافی تعداد ہو اور جن کی موجودگی میں مشائخ و علماء جلسے کے مناسب تقریریں فرمائیں تاکہ غیر مسلموں کے اذہان میں اسلام کی حقانیت جلوہ گر ہو اور اس طرح سال میں ایک مرتبہ تو صحیح معنی میں اسلام کی خدمت ہو جائے۔ لیکن افسوس اس طریقہ کار پر عمل نہ ہو سکا۔ اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مفتی اعظم کے دل میں کتنا درد تھا۔

ایک اور شمارے میں ہے:

”جلوس عید میلاد النبی ﷺ کا آغاز حاجی امداد اللہ مہاجر کی علیہ الرحمہ کے خلیفہ حاجی شاہ کرامت اللہ علیہ الرحمہ کی مسجد واقع باڑہ ہندوراؤ (دہلی) سے بعد نماز ظہر ہوتا تھا۔ عصر تک یہ جلوس جامع مسجد فتحپوری، دہلی میں پہنچتا۔ یہاں نماز عصر سے فارغ ہو کر پھر جامع مسجد شاہجہانی روانہ ہوتا تھا۔ جہاں رات کو درود و سلام پر اس کا اختتام ہوتا۔“

فنائیت

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ، حیات نبوی ﷺ کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ آپ کی حیات مبارکہ پر عشق الہی اور عشق مصطفوی غالب تھا۔ خلوتوں میں، محراب و منبر میں، ابتلاء و مصیبت میں ہر جگہ اسی عشق کی جلوہ گری تھی:

۱۔ روزنامہ ”دبدبہ سکندری“ شماره ۱۵ مارچ ۱۹۳۷ء، ص ۶

۲۔ روزنامہ ”دبدبہ سکندری“ شماره ۱۴ فروری ۱۹۳۷ء۔

کبھی تنہائی کوہ و دینِ عشق کبھی سوز و سرور انجمنِ عشق
 کبھی سرمایہ محراب و منبر کبھی مولا علی خیر شکنِ عشق
 حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ فنا فی الرسول تھے۔ فنایت کا یہ عالم تھا کہ ۱۴ سال کی عمر
 شریف سے ۸۵ سال کی عمر تک کبھی نماز تہجد قضا نہ فرمائی۔ ستر سال تک پابندی سے نماز تہجد
 ادا کرنا معمولی بات نہیں۔ یہ کمال اسی کو حاصل ہوتا ہے جس کو عطاءِ خاص سے نوازا جاتا ہے۔
 مقام فنا فی الرسول سے مقام فنا فی اللہ تک پہنچے تو پھر یہ عالم تھا کہ جب ۱۹۴۵ء میں حج
 بیت اللہ شریف کے لیے حاضر ہوئے تو دیارِ محبوب میں ماسوا اللہ کے نقوشِ دل سے ایسے محو ہوئے
 کہ نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ حتیٰ کہ اولاد کے نام بھی صفحہٴ دل سے مٹ گئے۔ حاضرینِ محویت
 اور استغراق کا یہ عالم دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ اللہ اللہ!

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مکتوبات شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ
 عشقِ خداوندی کی اعلیٰ منازل پر پہنچ چکے تھے۔ قلم سے شرابِ عشق کے چشمے اُبل رہے
 ہیں، ایک ایک سطر عشق میں ڈوبی ہوئی، ایک ایک جملہ امینِ عشق و محبتِ الہی میں، اسی فنایت کی
 وجہ سے ان کے تصور سے سوئے ہوئے دل جاگ اُٹھے تھے۔ مشرقی پنجاب، بھارت کے
 ایک نو مسلم فاضل و محقق پروفیسر سردار جوگندر سنگھ مرحوم ایک مکتوب میں راقم الحروف کو لکھتے ہیں:
 ”اور آپ کا چہرہ مبارک تصور میں لانے سے فوراً دل یادِ الہی میں مصروف ہو جاتا۔“
 سبحان اللہ! جب تصور کا یہ عالم ہے تو صحبت کا عالم کیا ہوگا!

کمالِ عشق و محبت یہی ہے کہ محبت کو دیکھئے تو محبوب سامنے آجائے۔ لیکن بعض حضرات
 کمالِ سیرت پر نظر نہیں رکھتے، کرامات کو حاصل زندگی سمجھتے ہیں۔ کرامات حاصل زندگی نہیں،
 زندگی خود حاصل زندگی ہے:

فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

صرف زندگی پر نظر رکھئے اور آئینہ اسوہ مصطفیٰ ﷺ سامنے رکھ کر اس کو سنوارتے جائیے۔۔۔ بنی سنواری صورتیں مل جائیں، غنیمت جائے اور توفیق الہی شامل حال رہے تو انہیں کے ہو کر پیئے کہ صحبت گل اثر سے خالی نہیں۔

للہیت

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا سارا وقت خدا اور بندگانِ خدا کے لیے صرف ہوتا تھا۔ کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جو اپنے نفس کے لیے صرف کیا جاتا۔ انسانیت و شرافت کی یہ وہ منزل ہے جہاں سرکارِ دو عالم ﷺ نے انسان کو پہنچایا تھا۔ جب تک انسانی کوشش کا محور اس کی اپنی ذات ہے، وہ حیوانی منزل سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ کہ حیوان بھی اپنی معیشت کے لیے سامان مہیا کر لیتے ہیں۔ اس لیے اگر انسان ایسا کر لیتا ہے تو کون سا کمال کرتا ہے۔ یہ معمولی بات نہیں کہ انسان قدرت و طاقت رکھتے ہوئے اپنے عیش و تنعم سے بے نیاز ہو کر دوسروں کے لیے اپنی زندگی صرف کر دے۔ یہ بڑی اوّٰل العزمیٰ اور ہمت کی بات ہے۔

مبارک ہیں وہ جنہوں نے ساری زندگی خدا اور بندگانِ خدا کی خدمت کی۔ اور اس روشن راہ پر چلے جس پر تاجدارِ دو عالم ﷺ چلے۔ ہاں انہیں نفوسِ قدسیہ کے لیے فرمایا:

صراط الذین انعمت علیہم

اس سے بڑھ کر محبوب کا کیا انعام ہوگا کہ خود سے بے نیاز کر کے اپنا نیاز مند بنا لیا اور سب کی خدمت کے لیے محبت کو وقف کر دیا۔

شمع کی طرح جنیں بزمِ گہ عالم میں
خود جلیں، دیدہ اغیار کو بینا کر دیں

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے دنیا میں بے نیازانہ زندگی گزار لی۔ اس کریم کے خیال میں ایسے گم کہ این و آں سے بے خبر۔

از خیال خویشتن بے خویش شو بیگانہ باش
در خیال حضرت جانا نہ شو، جانا نہ باش

جب تزکیہ نفس ہو جائے تو انسان بیدار ہو جاتا ہے، ہوشیار ہو جاتا ہے۔ سونے والوں کو جو باتیں اچھی لگتی ہیں، جاگنے والوں کو وہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ وہ دہلی میں تھے ان کا شہر عرب و عجم میں تھا۔ ان کے تزکیہ نفس کی باتیں صوبہ سرحد (پاکستان) کے شعراء بھی اپنے کلام میں باندھنے لگے، نور سرحدی کا یہ قطعہ ملاحظہ ہو:

مظہر اللہ ، مظہر نورِ خدا
نسبت صدیق کا تھا وہ امین و مقتدا
تزکیہ کا تھا شغل ان کا اور فقہ دین بھی
ہند کا مفتی تھا وہ اور اصفیا کا رہنما
تزکیہ پر چھا گئی ان کے جانے سے خزاں
لوٹ کر آئی نہ فقہ پر بہارِ جاں فزا

(مکتوب قاضی عبدالحمید فضلی، محررہ ۱۲ جون ۱۹۸۳ء، از شیر گڑھ)

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا ظاہر و باطن ایک تھا، جس کا بخوبی اندازہ آپ کے نجی خطوط سے ہوتا ہے (جس کی ایک ضخیم جلد ۱۹۹۹ء میں کراچی سے شائع ہو چکی ہے)۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے والا سکون پاتا ہے، اور بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے:

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ

دیگر اوصافِ حمیدہ

حضرت علیہ الرحمہ کی ایک ایک ادا ایسی ہے کہ اس پر سیر حاصل لکھا جائے۔ بعض خوبیوں کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں حضرت علیہ الرحمہ کے مکاتیب شریف سے بعض دیگر خوبیوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اتباع شریعت کا حضرت علیہ الرحمہ کو بڑا پاس و لحاظ تھا۔ اپنے مریدین و معتقدین پر اسی نظر سے نگران رہتے اور جب کوئی بات خلاف شریعت پاتے، فوراً

نصیحت فرماتے۔ چنانچہ اپنے ایک محبت باخلاص کو ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں:

”فرائض خداوندی کی ادائیگی میں کبھی غفلت نہ کرنا، اور جہاں تک ہو سکے والد کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔“

جب تک تسلیم و رضا کا جذبہ پیدا نہ ہو، اتباع شریعت کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے مختلف مکتوبات میں بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ ایک معتقد خاص جناب اختر حسین صاحب، کراچی کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”جب تک خالص اس کی جانب توجہ نہ کریں گے، اور اس کے ہر فعل پر راضی نہ ہوں گے، اطمینان قلب میسر نہیں آسکتا۔ مولیٰ تعالیٰ کا ذکر ہی اطمینان قلب کا باعث ہے۔“

اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں اپنے ایک عزیز شاگرد حافظ عبدالسمیع مرحوم کو تحریر فرماتے ہیں:

”عزیز! اس کی رضا کا حصول بڑی دولت ہے۔ یہ اس ہی کو نصیب ہوتی ہے جس کو وہ اپنا کر لیتے ہیں۔“

حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی میں صبر و تحمل کا جو ہر نمایاں نظر آتا ہے۔ جو راضی برضاء الہی رہنے کا نتیجہ ہے۔ جس سے انسان کی حقیقی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آزمائشوں کے وقت ہمت و ثابت قدمی بڑی چیز ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے نہایت نازک موقعوں پر دامن صبر و استقلال ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آپ کی زندگی میں متعدد واقعات ایسے نظر آتے ہیں، دور جدید میں جن کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ کے ایک ہونہار، عالم اور جواں سال صاحبزادے تقسیم ہند کے بعد پاکستان تشریف لے آئے تھے۔ یہاں سخت علیل ہو گئے اور عالم فراق میں ۱۹۴۹ء میں حضرت علیہ الرحمہ کو داغ مفارقت دے گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

- ۱۔ مکتوب بنام بشیر احمد، لاہور، مرسلہ ۲۱ فروری ۱۹۴۹ء
- ۲۔ مکتوب بنام اختر حسین، کراچی موصولہ ۱۹ اگست ۱۹۶۰ء
- ۳۔ مکتوب بنام حافظ عبدالسمیع، مرسلہ ۲۹ جولائی ۱۹۵۷ء

استغناء و بے نیازی

آج کل دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگ فکرِ عقبی سے غافل ہیں۔ دنیا کی فکر میں عقبی تو بڑی چیز ہے، خود اپنی بھی خبر نہ رہی۔ لیکن حضرت کی حیاتِ طیبہ میں یہ غیر محمود محویت نظر نہیں آتی۔ قدم پر اپنے اور بیگانے کو آخرت کی یاد دلا دلا کر اصلاحِ حال فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرید حاجی ضیاء الدین احمد صاحب (کراچی) کو ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

”میرے عزیز! دنیا کے چند روز آخرت کی تجارت کے لیے دیئے گئے ہیں۔ اس

میں ہمہ تن اپنی عمر صرف کرنا چاہیے، اور جو فعل بھی کیا جائے اس میں اس تعالیٰ کی خوشنودی

مد نظر رہے، تا کہ ہمیشہ جہاں رہنا ہے وہاں کام آئے۔“

بعض مشائخ و علماء کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے محبین و مریدین سے ”خدمت“ کے طلبگار

رہتے ہیں اور بسا اوقات ان کی محبت کا دار و مدار بھی اسی ”خدمت“ پر ہوتا ہے۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ

کی طبیعت بے نیازانہ تھی۔ آپ کی فقر پسندی نے کبھی گوارا نہ کیا کہ مریدین و معتقدین سے کسی

قسم کی خود خدمت لی جائے۔ اسی لئے ان کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ اس بے نیازی کا اظہار

اکثر مکاتیب میں فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنے ایک مرید بااخلاص حافظ محمد صالحین صاحب

(کراچی) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”تم جانتے ہو، مجھے اپنے احباب سے فوائدِ دنیوی مطلوب نہیں، صرف اتنی خواہش

رکھتا ہوں کہ ان کے فائدے کے لیے جو کچھ عرض کروں اس کو سنیں اور اکثر اوقات مولیٰ

کی یاد میں گزاریں۔“

اسی طرح ایک دوسرے مرید و سفیر سید نواب علی صاحب، حیدرآباد کے نام ایک مکتوب

میں تحریر فرماتے ہیں:

”مجھے کسی خدمت کی ضرورت نہیں، میری خدمت یہی ہے کہ تم اپنے مولیٰ کی

عبادت میں رہ کر اپنی خدمت کرتے رہو۔“

۱۔ مکتوب بنام حاجی ضیاء الدین احمد، کراچی، مرسلہ اکتوبر ۱۹۶۳ء

۲۔ مکتوب بنام حافظ محمد صالحین، کراچی مرسلہ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۳ء

۳۔ مکتوب بنام سید نواب علی، حیدرآباد، مرسلہ ۱۹۵۸ء

عجز و انکساری

مشیخت اور فقاہت و علمیت کے باوجود حضرت علیہ الرحمہ کی طبیعت میں نخوت و غرور کا شائبہ تک نہ تھا۔ جو معتقدین و محبین حضرت علیہ الرحمہ کی مجالس سے مستفیض ہوئے ہیں ان کو اس خوبی کا بخوبی علم ہے۔ مکاتیب شریف میں بھی عجز و انکساری کی جھلک نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک محبت باخلاص اسلام الدین صاحب (لاہور) نے ملاقات کے اشتیاق کا اظہار کیا تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا:

”میرے عزیز! انسان اس کے حاصل کرنے کی تمنا اور کوشش کرتا ہے جو اسے

فائدہ پہنچائے، مجھ نا اہل کی ملاقات سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔“^۱

اسی طرح اپنے فرزند نسبتی جناب حافظ قاری سید حفیظ الرحمن صاحب، بہاولپور کے نام

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”تمہارے صدقے میں اس ناکارہ کو مستحق جنت کرے۔“^۲

ایک اور مرید غلام قادر خاں صاحب، راولپنڈی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”سب کچھ بزرگوں کا صدقہ ہے، ورنہ ایک ادنیٰ مسلمان بھی مجھے اپنے سے یقیناً

بہتر نظر آتا ہے۔ اس میں کچھ تصنع کو دخل نہیں۔“^۳

اکثر دیکھا گیا ہے کہ مشائخ کرام کی خدمت میں جو مریدین حاضر باش رہتے ہیں،

ان سے مطلق نہیں پوچھتے کہ تم پر کیا شرعی ذمہ داریاں ہیں اور وہ پوری کی جا رہی ہیں یا نہیں۔

حاضر باشی ہی مریدین کی سعادت کی دلیل ہے۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ اس پر سختی سے نگارہ رکھتے

تھے کہ جو مرید حاضر ہیں یا حاضر ہونا چاہتے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ اس حاضری میں کسی شرعی

ذمہ داری سے اغماض نظر کر بیٹھے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت علیہ الرحمہ کے ایک مرید جناب

۱۔ مکتوب بنام اسلام الدین، لاہور، مرسلہ ۱۳ دسمبر ۱۹۶۱ء

۲۔ مکتوب بنام قاری سید حفیظ الرحمن، بہاولپور، موصولہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۳ء

۳۔ مکتوب مرسلہ ۱۰ ستمبر ۱۹۴۸ء

ذکر الرحمن صاحب، کراچی نے دہلی حاضری کی اجازت چاہی تو ان کو تحریر فرمایا:

”تم نے واپسی کی اجازت طلب کی ہے۔ اگر تمہاری بیوی کی یہی خواہش ہے تو تم

واپس آسکتے ہو۔ ورنہ ان کے حقوق تم کیسے ادا کر سکو گے جو تمہارے ذمہ ہیں۔

ہاں اگر وہاں روزگار کی کوئی صورت نہیں جس کی وجہ سے تمہاری بیوی تمہیں خوشی

سے اجازت دے تو بے شک واپس آ جاؤ۔ اس تمہاری کیفیت کا مجھے اندازہ ہے، لیکن

میں حکم شرع سے مجبور تھا اور اب بھی اس کے خلاف تمہیں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔“

شیخ کی خدمت میں حاضری کے وقت بیوی سے اجازت طلبی شاید بعض حضرات کے

لیے عجائبات سے ہو مگر اتباع شریعت میں حضرت علیہ الرحمہ کا یہی اہتمام تھا۔ حضرت علیہ الرحمہ

نے بار بار مریدین و محبین کو اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ ایک معتقد خاص اور سفیر باخلاص محمد احمد قریشی صاحب، لاہور کے نام ایک

مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”اہلیہ کے ساتھ جہاں تک ہو سکے، محبت اور یگانگت کو ملحوظ رکھیں کہ یہ بھی ترقی کا

باعث ہے۔“

صلہ رحمی

حضرت علیہ الرحمہ نے صلہ رحمی پر خاص زور دیا ہے۔ خود اس پر اس شان سے عمل کیا کہ

دشمنوں نے بھی سراہا اور دوستوں کو بھی تلقین کی۔ ورنہ آج کل تو آپس میں تنازعات و مناقشات

سے دنیا کا حال کچھ ایسا ہو گیا ہے جیسے کوئی میدان جنگ ہو۔ عالم و عامی صلہ رحمی کے جوہر سے

محروم نظر آتا ہے۔ یہ وہی جذبہ محمود ہے کہ اگر مفقود ہو جائے تو گھر گھر دوزخ نظر آتی ہے۔ مگر

اس سلسلے میں حضرت علیہ الرحمہ کی تعلیمات جنت نشاں ہیں۔

چنانچہ ایک مکتوب میں ایک مرید جناب ذکر الرحمن صاحب، کراچی کو اس طرح تلقین

۱۔ مکتوب بنام ذکر الرحمن، کراچی موصولہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۶ء

۲۔ مکتوب بنام محمد احمد قریشی، لاہور، مرسلہ ۲۶ فروری ۱۹۶۳ء

فرماتے ہیں:

”آپ موافق مخالف ہر ایک سے کشادہ پیشانی سے ملیں، کسی کو ایسی بات نہ کہیں جس سے اس کو رنج پہنچے۔“

سامنے کسی کو بات کہنا تو بڑی بات ہے، پس غیبت بھی مخالف پر طعن و تشنیع سے منع فرمایا — چنانچہ جب مرید موصوف نے تقریر کی اجازت چاہی تو جواباً تحریر فرمایا:

”تقریر کی اجازت مبارک ہو، لیکن میرے طریق پر تقریر کریں، کسی پر طعن ہرگز نہ ہو۔“

صلہ رحمی پر استقامت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب انسان میں عفو درگزر کی صلاحیت ہو۔ بات بات پر گرفت کرنے والا انسان خواہ عالم ہو یا عامی، صلہ رحمی کی حقیقت سے ناواقف ہے — آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں صلہ رحمی کا باب بڑا روشن ہے۔ اسی روشنی سے سب روشنی پاتے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں بھی اسی روشنی کی ایک جھلک نظر آتی ہے — مکاتیب شریف کے مطالعہ سے بھی اس صفت خاص پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ ایک مکتوب گرامی میں جناب محمد احمد صاحب قریشی، لاہور کو تحریر فرماتے ہیں:

”تمہارے نامعلوم قصور معاف کئے، بلکہ ایک زائد معافی اور ارسال ہے جو آئندہ کے لیے کام آئے گی۔“

ایک عزیز سے انتقال سے کچھ عرصہ قبل سخت ناراض ہو گئے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اگر اس نے توبہ و استغفار کی تو امید ہے کہ اس کا قصور معاف کر دیا جائے گا۔

کراچی میں حضرت علیہ الرحمہ کے ایک محب خاص جناب حافظ محمد صالحین صاحب سے کچھ قصور ہو گیا۔ جس سے حضرت علیہ الرحمہ کو صدمہ ہوا۔ اس کیفیت نے حافظ صاحب کو بہت بے چین کر دیا۔ انہوں نے طلب معافی کے لیے عریضہ ارسال کیا۔ حضرت نے فوراً معاف فرمادیا مگر ان کو تسکین نہ ہوئی۔ انہوں نے پھر لکھا، جواباً حضرت نے تحریر فرمایا:

۱۔ مکتوب مرسلہ ۲۸ فروری ۱۹۶۶ء

۲۔ مکتوب مرسلہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء

”میں تمہیں واضح الفاظ میں اس کا یقین دلا چکا ہوں کہ اپنے قلب پر تمہاری طرف سے اصلاً تکدر نہیں پاتا، بلکہ بہ نسبت پہلے کے، نہایت درجہ محبت محسوس کرتا ہوں، بالکل مطمئن رہیں۔“

میانہ روی

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت مفتی اعظم کے مزاج میں حد درجہ اعتدال و توازن اور ضبط و تحمل تھا۔ آپ کی حیات مبارکہ اس شعر کی تفسیر تھی:

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است

بادوستاں مروّت، بادشمنائں مدارا

یہاں صرف دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔ مسک اہل سنت و جماعت کے ایک مشہور عالم اپنی شدت پسندی کی وجہ سے حضرت مفتی اعظم سے اختلاف رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ جیسا خود حضرت مفتی اعظم نے راقم سے فرمایا:

”فقیر کو وہابی کہتے ہیں۔“

یہ بزرگ (علیہ الرحمہ) جب فوت ہوئے تو حضرت مفتی اعظم نے تعزیتی مکتوب ارسال فرمایا۔ جس کے کلمات قابل مطالعہ ہیں:

”حضرت مولانا۔۔۔۔۔ رحمہ اللہ تعالیٰ کے سانحہ فاجعہ کا جو قلب حزیں پر اثر ہے،

اس کا تحریر میں آنا دشوار ہے۔ امید ہے اس میں مجھے معذور سمجھ کر معاف فرمائیں گے۔

اس کے متعلق صرف اتنا ہی لکھنے پایا تھا کہ قلب کی حرکت بڑھ گئی۔ اہل سنت سے

جب بھی کوئی رکن اٹھتا ہے، قلب کی حالت سنبھالے نہیں سنبھلتی۔“

ہم تو ہیں دل فگار، غم میں ہے ہستی ناگوار

چھیڑ کے گل نو بہار، خون ہمیں رلائے کیوں؟

یہ اس عالم کی وفات حسرت آیات پر قلبی اثرات تھے جو خود کو بیگانہ رکھتے ہوئے بھی

۱۔ مکتوب مرسلہ ۱۶ جنوری ۱۹۵۳ء

۲۔ ماہنامہ پاسبان، الہ آباد، شمارہ اگست و ستمبر ۱۹۶۱ء، ص ۳۷

حضرت مفتی اعظم کے لیے یگانہ تھے۔ حضرت مفتی اعظم کی یہ بے لوث محبت اہل سنت و جماعت کے ان علماء کے لیے نصیحت و عبرت ہے، جو معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ ہمدردی و محبت کے سارے جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں، اور خیر خواہ بدخواہ بن جاتے ہیں۔

اب سید سلیمان ندوی کے متعلق ایک تحریر ملاحظہ فرمائیں — مولانا امداد صابری (جو مولوی اشرف علی تھانوی کے بھائی مولوی شریف الحق کے صاحبزادہ ہیں) نے ایک کتاب بعنوان:

”سید سلیمان ندوی کی قرآنی غلطیاں“

لکھی۔ اس پر حضرت مفتی اعظم سے تقریظ لکھوائی۔ جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

”سید سلیمان ندوی سے جو ان کی بعض تصانیف میں بعض آیات کے مطالب بیان کرنے میں غلطیاں واقع ہو گئی ہیں، وہ بلاشبہ قابل گرفت ہیں — مفسرین کی پیروی چھوڑ کر آیات مبارکہ کی تفسیر بالرائے کا لازمی نتیجہ تھا۔ اس سے سید صاحب کا دامن یقیناً پاک نہ رہ سکا۔ بہت ضرورت تھی کہ کوئی اللہ کا نیک بندہ ان کو ان لغزشات پر متنبہ کرتا، تاکہ وہ نظر ثانی فرما کر اس کی اصلاح فرماتے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اعزی مخلصی مولانا امداد صابری سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے نہایت شائستگی اور سنجیدگی کے ساتھ ان اغلاط پر کافی روشنی ڈالی اور اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہو گئے۔ مولیٰ تعالیٰ ان کو اس کی بہتر جزا عنایت فرمائے اور سید صاحب کو توفیق دے کہ وہ مولانا موصوف کی تحریر کو شکر کے ساتھ قبول فرما کر ان غلطیوں کی اصلاح فرمائیں اور آئندہ اس روش کے اختیار کرنے سے اجتناب فرمائیں۔ فقط۔“

حضرت مفتی اعظم کی اسی میانہ روی سے موافق و مخالف سب آپ کے گرویدہ تھے۔ اور یہ بات آپ کے معاصرین میں کسی عالم اہل سنت کو حاصل نہ تھی۔ ابتداء میں بعض حضرات کو اس روش کی اہمیت کا اندازہ نہ تھا، لیکن اب احساس ہوتا جا رہا ہے کہ موعظت و حکمت، تبلیغ و ارشاد کا جزو اعظم ہے۔

علامہ اخلاق حسین دہلوی نے حضرت علیہ الرحمہ کے اخلاق کریمانہ کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”میانہ روی کی روش کو اپنایا جس کی بنا پر آپ کو ”صلہ“ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور یگانگت کی راہ روشن ہوئی۔“

بعض مشائخ دوسرے سلاسل کے مشائخ سے کچھ نہ کچھ اختلاف رکھتے ہیں اور تحریر و تقریر

میں اشارۃً یا صراحتاً اس کا اظہار بھی فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی جلوت و

خلوت اور تحریر و تقریر میں اس قسم کی کوئی بات نہیں دیکھی گئی اور نہ سنی گئی۔ آپ کی محفلوں میں اس

حقیقت کا شدید احساس ہوتا تھا کہ بیعت دراصل محبت ہے۔ جب حریم محبت میں داخل ہو گئے تو

پھر کوئی وجہ نہیں کہ اہل محبت سے کسی قسم کا پیر رکھا۔ جس طرح حضرت کی محفل میں ہر مسلک کے علماء

آتے تھے، اسی طرح ہر سلسلہ طریقت کے مشائخ بھی آتے تھے، اور ان سے ایسے مخلصانہ

تعلقات تھے کہ غیریت کا گمان تک نہ تھا۔ عینیت ہی عینیت نظر آتی۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک مسلک کے علماء کی محفل میں دوسرے مسلک کے علماء کی

غیبتیں ہوتی ہیں اور طعن و طنز کیا جاتا ہے۔ حضرت کی مجالس ان خرافات سے پاک تھیں۔ کسی کی

مجال نہ تھی کہ کسی عالم یا کسی بھی شخص کی غیبت کر سکے۔

آپ کی طبیعت میں حیرت انگیز اعتدال اور توازن تھا جو آپ کے معاصرین علمائے

اہل سنت میں ماسوائے چند حضرات کے نایاب تھا۔ آپ اپنے مخالف کو دشمن نہیں بلکہ مریض

سمجھتے تھے۔ بہت سے امراض روحانیہ کے مریض آپ کی صحبت سے مستفیض ہو کر شفا یاب

ہوئے۔ آپ نے اپنے ایک خلیفہ کو جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا، اس کے مندرجات سے مخالفین

کے بارے میں آپ کے طرز عمل پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”پھر میں مکرر کہتا ہوں کہ تمہیں دینی خدمت کرنی ہے، کہیں خاک بنو، کہیں

شیر و شکر۔۔۔ جب تک وہ بد عقیدہ تمہارے پاس نہ آئے گا، تب تک کیسے اسے

ہدایت کر سکو گے؟۔۔۔ کسی کی بات ناگوار گزرے تو اس کو ٹال دیں۔“

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی اسی عارفانہ رواداری اور عالمانہ میانہ روی کی وجہ سے مخالف و موافق سب آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

مسلك حضرت مفتی اعظم

حضرت علیہ الرحمہ مسلکاً حنفی تھے۔ اور متقدمین میں اہل سنت و جماعت کے مسلک پر عمل پیرا تھے۔ مزاج میں حد درجہ اعتدال و توازن اور ضبط و تحمل تھا۔ اس لیے موافق و مخالف سب آپ کی مجلس میں آتے تھے۔ حتیٰ کہ کفار و مشرکین بھی آتے اور دولتِ اسلام سے مشرف ہو کر جاتے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے اخلاف کرام اور حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز کے خلفاء و تلامذہ اور اواہل اجداد سے خصوصی تعلقات تھے۔

جس طرف حق دیکھتے اس کی تائید فرماتے۔ آپ کی تائیدات جماعتی رنگ میں رنگی ہوئی نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں:

”کوئی فقیر سے اس لیے ناراض ہے کہ اس کے خیال میں فقیر بریلوی ہے، اور کوئی اس لیے کہ فقیر دیوبندی ہے۔۔۔ حالانہ فقیر نہ بریلوی ہے نہ دیوبندی۔۔۔ میرا مسلک تو وہی ہے جو متقدمین کا ہے۔“

چنانچہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب^۱ سے ایک مسئلے میں اختلاف ہوا۔ مفتی صاحب کا

۱۔ مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم شاہجہان پور (یو۔ پی) کے رہنے والے تھے، مگر دلی آ کر بس گئے تھے۔ اپنی عمر کا بیشتر حصہ دلی ہی میں گزارا۔ تبحر عالم تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ دلی میں ایک عرصہ مدرسہ امینیہ سے متعلق رہے۔ ۱۹۳۳ء کے لگ بھگ اس مدرسہ سے وابستہ ہوئے اور آخر دم تک اس کی خدمت کرتے رہے۔ مفتی صاحب طبعاً بہت سادہ، متواضع اور قناعت پسند تھے۔ اہل دہلی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کا تعلق مسلک دیوبند سے تھا، اس لیے دلی کے بعض عوام و خواص ان سے اختلاف رکھتے تھے۔۔۔ لیکن بعض مستند ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مفتی صاحب آخر میں اس مسلک سے ذرا ہٹ گئے تھے۔ متقدمین کے مسلک کی طرف رجوع فرمایا تھا۔ چنانچہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کی درگاہ شریف کی چوکھٹ پر تدفین کی وصیت کرنا اور وہیں دفن ہونا اس اطلاع کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔ مفتی صاحب کا دلی میں انتقال ہوا۔

اس مسئلے میں وہ مسلک تھا جو مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کا تھا۔ اسی لیے مفتی صاحب نے فرمایا:

”مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی اس مسئلے میں یوں ہی فرماتے ہیں“ — تو میں نے عرض کیا کہ میں مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کا مقلد تو ہوں نہیں، ہاں، ان کو اہل سنت کا بتحر عالم ضرور خیال کرتا ہوں۔ لیکن اس کی وجہ سے ان کا قول مجھ پر حجت نہیں ہو سکتا۔“

اس واضح طرز عمل کے باوجود تعصب و تنگدلی نے بعض لوگوں کو آپ کا گستاخ بنا دیا تھا۔ حضرت علیہ الرحمہ کی ہیبت و جلال کا یہ عالم تھا کہ سامنے کسی کو مخالفت کی ہمت تو کجا نظر اٹھا کر دیکھنے کا یارا نہ تھا، لیکن پس غیبت بعض اشرا گم نام خطوط بھیجا کرتے تھے، اور حضرت علیہ الرحمہ فقہیانہ تحمل و بردباری اور مومنانہ فراست سے کام لیتے ہوئے اس قسم کی تکلیف دہ باتوں کو خیال میں نہ لاتے اور وسعت قلبی کے ساتھ درگزر فرما دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی قسم کا ایک خط حضرت علیہ الرحمہ کے صاحبزادے کی نظر سے گزرا تو انہوں نے نہایت برہمی کا اظہار فرمایا۔ اس پر حضرت علیہ الرحمہ نے جو کچھ فرمایا تھا، مخالفین کے لیے وہ عبرت ہے اور مقلدین کے لیے آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ علیہ الرحمہ نے فرمایا:

۱۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۸۶ھ میں علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہوئے اور اسی دن فتویٰ نویسی کا آغاز فرمایا۔ ۱۲۹۴ھ میں شاہ آل رسول مارہروی سے بیعت ہوئے اور تمام سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل کی۔ ۱۲۹۵ھ میں زیارت حرمین شریفین کے لیے تشریف لے گئے، اور وہاں مختلف علماء سے حدیث، فقہ، اصول تفسیر اور دوسرے علوم میں سندات حاصل کیں۔ علمائے حرم نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی۔ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو بریلی میں وصال ہوا۔ پاک و ہند میں آپ کے بے شمار مریدین و معتقدین اور تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں، جن کا احاطہ معذر ہے۔ صاحبزادگان میں حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلی میں رونق بخش مسند ارشاد ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ مولانا رحمان علی نے ۱۳۰۵ھ میں ”تذکرہ علمائے ہند“ لکھا ہے: ”یہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی جوانی کا زمانہ تھا، مگر اس وقت بھی تذکرہ مذکور میں ان کی ۷۵ تصانیف کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۹۸، ۹۹) لیکن وفات کے بعد تصانیف کا جو جائزہ لیا گیا ہے تو تعداد ہزار سے متجاوز نظر آتی ہے۔ جو پچاس سے زائد علوم و فنون پر مشتمل ہیں۔ علمائے اسلام میں ابن تیمیہ کی پانچ سو تصانیف کا ذکر ملتا ہے مگر ہندوستان کا یہ جلیل القدر عالم اس خصوص میں ان پر بھی سبقت لے گیا۔ مسعود

”تم اسی پر برہم ہو گئے، ہمارے پاس تو بیسیوں ایسے خط آئے جن کو تم دیکھ بھی نہیں سکتے۔ ہم تو اپنی عزت و آبرو سب حضور ﷺ پر تصدق کر چکے۔ تو اب ہمیں ایسی چیزوں کا کیا احساس ہو سکتا ہے۔ ہاں! اس کا ضرور افسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ بلا وجہ کیوں گنہ گار ہو رہے ہیں۔“

اغیار کے لیے دردمندی کمالِ اخلاص کی آئینہ دار ہے۔ یہ سب تبراً اس لیے تھا کہ حضرت علیہ الرحمہ بعض ایسے امور جو مباح و مستحب تھے، مثلاً اعراس اور مجالس عید میلاد النبی ﷺ، غیروں کی نظر میں کھٹکتے تھے۔ حالانکہ بدعتِ مباحہ کے سلسلے میں تو حضرت علیہ الرحمہ نے ایک فتوے میں پوری طرح وضاحت فرمادی ہے۔ آپ نے فرمایا:

”لیکن یہ یاد رہے کہ جن افعال کو بدعتِ مباحہ کہا جاتا ہے، اس کا صرف اتنا ہی مطلب ہے کہ یہ گناہ نہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سنت کے مقابلے میں اس میں کوئی خوبی نہیں۔ مسلمان کے کرنے کے لیے بہت سے افعال ہیں جو مسنون ہیں، جن کو اس نے چھوڑ رکھا ہے۔ تو اس کے لیے لازم ہے کہ بجائے اس کے ان پر عمل کرے تاکہ فلاح دارین نصیب ہو۔ پھر یہ افعال گو بذاتہ مباح ہیں لیکن عوارض کی وجہ سے یہ قابل منع بھی ہو سکتے ہیں۔“

سجدہ تعظیمی کو علماء حق نے ہمیشہ حرام قرار دیا بلکہ بعض نے ایسے شخص کو کافر تک لکھا ہے۔ مفتی اعظم سجدہ تعظیمی کو حرام سمجھتے تھے مگر افسوس اس واضح حقیقت کے باوجود بعض حضرات علماء اہل سنت کو قبر پرست کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے، جو نہایت ہی افسوس ناک ہے۔

خواجہ حسن نظامی مرحوم ۱۲۳۱ھ/۱۹۲۲ء میں ایک رسالہ بعنوان:

”مرشد کو سجدہ تعظیم“

دہلی سے شائع کیا۔ اس رسالے میں سجدہ تعظیمی کی حلت پر بحث کی گئی تھی۔ مولانا زاہد قادری مرحوم نے رسالے کے رد میں علماء سے فتویٰ لیا اور ان سب کو ایک رسالہ کی صورت میں بعنوان:

”الفوز العظيم في ردّ سجدة التعظيم“

شائع کیا۔ مؤخر الذکر رسالے میں مفتی اعظم نے سجدہ تعظیمی کی حرمت کے بارے میں باری الفاظ اظہار خیال فرمایا ہے:

”سجدہ تعظیمی سے مراد اگر سجدہ عبادت ہے تو وہ کفر ہے۔ اور اگر سجدہ تحیت مراد

ہے تو وہ اگرچہ اکثر کے نزدیک کفر نہیں ہے، لیکن حرام ہونے میں اس کے شبہ نہیں۔“

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے سجدہ تحیت کی حرمت کے بارے میں ایک رسالہ لکھا

ہے، اور اس میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ رسالہ مندرجہ بالا رسالہ سے دو تین

سال قبل لکھا گیا ہے۔ اس کے سائل نے سجدہ تحیت کی حلت کے سلسلے میں ”نظام المشائخ“ نئی

دہلی کے مندرجات کی روشنی میں سوالات کیے ہیں۔ رسالہ کا عنوان ہے:

”الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجدة التحیہ“

۱۲۷۰ھ / ۱۹۱۸ء

یہ رسالہ دو سوالات محررہ ۹ رمضان ۱۲۳۷ھ / ۱۹۱۹ء و محررہ ۲۹ شوال ۱۲۳۷ھ / ۱۹۱۹ء کے

جواب میں لکھا گیا ہے۔ سوال میں رسالہ ”نظام المشائخ“ کا حوالہ دیا ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے

اس مسئلہ کو اٹھایا تھا۔ اور انہیں مباحث کو رسالے کی صورت میں شائع کیا، جس کا ذکر مدیر ”الہمام“

نے کیا ہے۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ شاتم اور گستاخ رسول کو کافر سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے

مخالفین نے اپنے عوام کو آپ کے خلاف بدظن کرنا چاہا۔ اس پر مدیر ماہنامہ ”السواد الاعظم“

مراد آباد نے تعاقب کرتے ہوئے لکھا:

”حضرت مفتی اعظم مولانا مظہر اللہ صاحب کا (مخالفین نے) ایک فتویٰ بھی شائع

کیا ہے۔ جس میں انہوں نے رسول کریم ﷺ کی توہین کرنے والے کو کافر فرمایا ہے

— اس فتویٰ کا پیش کرنا اور اس سے اشتعال پیدا کرنا انتہا درجہ کی کم عقلی ہے —

ایک مفتی صاحب کیا، دنیا کا کون مسلمان ہے جو حضور ﷺ کی توہین کرنے والے کو مسلمان جانتا ہو۔“

دیگر حضرات کے علاوہ حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں مشہور عالم و فلسفی علامہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ بھی حاضر ہوتے رہے۔ علمی دنیا میں ان سے کون ہوگا، جو واقف نہ ہوگا۔ وہ میدان علم اور میدان سیاست دونوں کے شہ سوار تھے۔ مگر بایں شرف و بزرگی مفتی اعظم کی خدمت میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی اولاد امجاد سے سندھ کے ایک بزرگ اور راقم کے کرمفرما مولانا حکیم محمد سیم جان مجددی سرہندی مدظلہم العالی تحریر فرماتے ہیں:

”مسجد فتحپوری، دہلی میں حضرت علامہ الہند مولانا معین الدین مرحوم اجمیری کی معیت میں دو مرتبہ ان کی زیارت باسعادت سے مشرف ہوا تھا۔ سبحان اللہ! کیا پاکیزہ صورت اور شائستہ سیرت تھی کہ دیکھ کر روح کو بالیدگی اور ایمان کو تازگی نصیب ہوتی تھی۔ بلاشبہ سلف صالح کا اعلیٰ نمونہ اور اسوۂ حسنہ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے صحیح معنی میں مظہر تھے۔ اعنی محمد مظہر رحمة اللہ تعالیٰ علیہ۔

وے صورتیں الہی کس دیں بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے اکھیاں ترستیاں ہیں

سُخْن وری

سخن سخی کا خاص ملکہ حاصل تھا، اور سخن گوئی سے فطری لگاؤ تھا۔ لیکن ساری عمر دین کی خدمت میں صرف کر دی، اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔ مختلف احباب کے نام جو مکاتیب تحریر

۱۔ ماہنامہ السواد الاعظم، مراد آباد، شمارہ شعبان ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۲ء، ص ۲۴

۲۔ مکتوب محررہ ۷ فروری ۱۹۷۵ء، ارا قلی، سندھ

نوٹ:- مولانا معین الدین اجمیری کے حالات کے لیے ”معین المنطق“ مطبوعہ کراچی اور ”الثورة الہندیہ“ مطبوعہ لاہور کا دیباچہ ملاحظہ کریں۔

فرمائے ہیں، ان میں کہیں کہیں اشعار مل جاتے ہیں — عرصہ ہوا شجرۂ طریقت نظم فرمایا تھا، اس کے چند اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

① اپنا ذوق و شوق، درد و سوز یا رب عطا کر

اپنے ذکر و فکر، انس و معرفت کا دے مزا

② جس طرف دیکھوں، ہر سو نظر آئے تو ہی

دیدۂ دل میں مرے اس طرح بس جائے تو ہی

③ جام و حدت کا پلا کر دے بے خود مجھ کو یوں

غیر کا خطرہ نہ آئے دل میں، ایسا مست ہوں

حمیت و عزیمت

حضرت علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کا اصل جوہر عزیمت پسندی میں نظر آتا ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ ایسے جوہر سے مزین ہے۔ آپ نے مسجد فتحپوری میں امامت و خطابت اور بیعت و ارشاد کے ہی فرائض انجام نہیں دیئے بلکہ اس خانہ خدا کی حفاظت و نگہبانی میں اپنی عزت کو عزت اور اپنی جان کو جان نہیں سمجھا۔ اور جس استقامت و جرأت کا مظاہرہ فرمایا وہ تاریخ عزیمت کا ایک روشن باب ہے۔

آپ کی حیات طیبہ سے حمیت و عزیمت سے مرصع چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں:

①

۱۹۳۸ء سے کچھ قبلہ پستہ مسجد فتحپوری کا سانحہ پیش آیا۔ یہ سانحہ مسجد کانپور اور مسجد شہید گنج

لاہور سے کچھ کم تشویش ناک نہ تھا۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ افسوس ناک اور شرم ناک تھا۔ وہاں اغیار کا ظلم و ستم رنگ لایا اور یہاں اپنوں کی دین فروشی نے یہ ستم ڈھایا۔

۱۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری علیہ الرحمہ کی معیت میں مسجد شہید گنج کی تحریک میں

بھی نمایاں حصہ لیا تھا۔ (اداریہ روزنامہ نئی روشنی، کراچی ۳ دسمبر ۱۹۶۶ء)

واقعہ یہ ہے کہ دہلی کے مشہور و معروف ہندو سیٹھ گڈوڈیا نے مسجد کے مغربی سمت ایک طویل و عریض عمارت اور مارکیٹ بنانے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے لیے مسجد کا پشتہ اور متعلقہ زمین جو وقف تھی، مسجد کی منتظمہ کمیٹی سے خرید لی۔ اس کمیٹی میں مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم بھی تھے۔ یہ اس کا نہایت افسوس ناک پہلو تھا۔۔۔ بہر کیف ہندو سیٹھ نے ایک عظیم الشان عمارت کی تعمیر شروع کی، اور مسجد کی مغربی سمت کے چار ساڑھے چار سو فٹ طویل حصے کو پشتہ، برجیوں اور کنگرے سمیت اس عمارت میں دبا دیا، اور عمارت کو ایک عظیم الشان مندر کی شکل دے دی گئی۔ چاروں کونوں پر گنبد اور محراب مسجد سے ذرا ہٹ کر ایک بلند و بالا گنبد بنایا جس سے ناقوس کی آواز سنی گئی۔

آنکھوں سے بہا خون مرے، دل مرا رویا

ناقوس بجایا جو مرے سامنے شب کو (احمد بن عبدالرحمن)

اور عمارت کے پرنا لے مسجد کی چھت پر کھول دیئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُوْنَ!

حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے خلیفہ مولانا برہان الحق جب پوری علیہ الرحمہ جب دہلی تشریف لائے تو پشتہ مسجد اور اس عمارت کو بچشم خود ملاحظہ فرمایا۔ موصوف نے مولانا مظہر الدین شہید کے نام ایک مکتوب میں اپنے تاثرات کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

”مسجد فتحپوری کی چھت پر پہنچ کر پشتہ مسجد پر قائم شدہ عمارت کو اچھی طرح دیکھا۔

ایک ہی نظر میں زیادتیوں کی پوری روئید اذہن میں آگئی۔ نہایت تکلیف دہ منظر تھا کہ

ایک قدیم شاہی مسجد کا وہ پشتہ جو صرف حفاظت مسجد و استحکام دیوار مسجد کے لیے مسجد کے

ساتھ ساتھ تعمیر ہوا، اور ملحق و تابع مسجد ہونے کے سبب شرعاً مسجد ہی کے حکم میں ہے۔

اس پشتے پر آج ایک متعصب مشرک کی مندر نما عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ ساتھ ہی یہ امر

دل خراش ہے کہ اس کی نالیاں مسجد کی دیوار پر نکلتی ہیں۔ جن سے ہر قسم کا پانی دیوار مسجد

پر گرے گا۔۔۔ طرفہ یہ کہ مسجد کی یادگار اسلام عالی شان گنبدوں اور میناروں کے

درمیان اس مکان کی مندر نما گچیاں دیوار مسجد سے متصل ہونے کے سبب ایک نووارد دیکھنے والے کے لیے پوری مسجد پر مندر کا گمان پیدا کر سکتا ہے۔ میرے خیال میں اس ظالم بانی مکان کے غاصبانہ تصرف و تسلط کا سبب مسجد کے مہتممین کی مجرمانہ غفلت ہے۔ مولانا المکرم پشتہ مسجد فتحپوری کی یہ حالت دیکھ کر دل بھر آیا۔ خون کے آنسو نکل آئے اور ایک آہ جگر خراش دل سے نکلی۔ اور پشتہ مسجد پر اس ظالمانہ تصرف کے باعث ایک خونی منظر کا مستقبل میں خدا نخواستہ پیش آنے والا نقشہ دماغ میں کھینچ گیا۔ کلیجہ پکڑ کر واپس آ گیا۔

والسلام مع الاکرام
فقیر برہان الحق رضوی

۹ جمادی الآخر ۱۳۵۷ھ

اس عظیم سانحے نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو نہایت مضطرب و بے چین کر دیا۔ چنانچہ منظم کمیٹی کی اس دین فروشی کی سخت گرفت کی۔ مسلمانانِ دہلی کو بیدار کیا اور پُر جوش جدوجہد کا آغاز کیا۔ آپ کے اس اضطراب و بے چینی سے متاثر ہو کر ایک مخلص انسان سیٹھ احمد بن عبدالرحمن میمن میدانِ عمل میں اتر آئے، اور باوجود ضعیفی کے اس کے خلاف پورے زور و شور کے ساتھ جدوجہد شروع کر دی۔

سیٹھ صاحب موصوف نے ۱۹۴۴ء میں ایک کتابچہ ”دہلی کی نئی مجلس اوقاف“ شائع کیا

۱۔ مولانا نے جس خونی منظر کا اندیشہ ظاہر فرمایا ہے، وہ ۱۹۴۷ء میں فسادات کے دوران دیکھنے میں آیا۔
اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله — مسعود

۲۔ روزنامہ ”وحدت“ دہلی، شمارہ ۱۲ اگست ۱۹۴۸ء

۳۔ سیٹھ احمد میمن تحریک آزادی ہند کے سرگرم کارکنوں میں تھے۔ ضعیف و نحیف ہونے کے باوجود جوانوں کے سے جوش و ولولے کے ساتھ کام کرتے تھے۔ قائد اعظم علیہ الرحمہ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ تقسیم ہند سے قبل دہلی میں مقیم رہے، اور پھر پاکستان آ کر کراچی میں مقیم ہو گئے۔ یہاں بھی سیاست میں نمایاں حصہ لیا۔ اور مرتے دم تک خلوص و لہیت کے ساتھ ملک و قوم کی خدمت کرتے رہے۔ دس پندرہ سال ہوتے ہیں کہ کراچی میں انتقال فرما گئے۔
سیٹھ احمد میمن نے اس تحریک کے سلسلے میں بہت سے اشتہارات اور بیانات شائع کرائے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تھا۔ اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مجھے اس خدمتِ خانہ خدا پر کس چیز نے آمادہ کیا؟— دردمسجد کی ٹیس میرے دل میں کیوں پیدا ہوئی؟— نہ صرف مجھے بلکہ دوسرے ہمدردانِ مسجد کو بھی کس شے نے اس کارخیر کی طرف سب سے پہلے متوجہ کیا؟— آج میں اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہوں کہ یہ سب کچھ مولانا و مقتدانا حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب قبلہ کے فیض و برکات اور ان کی خاموش اور مخلصانہ خدمات اسلامی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خانہ خدا کی پشت پر کدال اور پھاوڑہ بچ رہا تھا۔ سب خاموش تھے، نہ علماء کی کوئی آواز تھی نہ مفتیوں کی، نہ عمائدین کی اور نہ عوام کو خبر تھی کہ مسجد کے لیے کیا ظلم ہونے والا ہے۔ اس زمانے میں حضرت مفتی صاحب کے پاس میری حاضری ہوتی رہتی تھی۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ حضرت مفتی صاحب کو پشتہ مسجد کے واقعہ نے کیسا بے چین کر رکھا تھا۔ بار بار بے ساختہ ایک آہ نکلتی تھی اور لب پر دعا ہوتی تھی کہ:

”الہی! بے کس مسجد کا کوئی حامی پیدا فرما۔“

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سے)

ایک اشتہار میں مسجد اور نو تعمیر عمارت کا فوٹو اور اس کے ساتھ یہ نظم شائع کی تھی۔ جو جناب محمد احمد قریشی کی عنایت سے ہم کو ملی اور تاریخی حیثیت سے ایک اہم دستاویز ہے:

وہ مفتی شرع جنہیں علم کا ہے دعویٰ
وہ خانہ رب سجدے جہاں کرتے ہیں مسلم
وہ سیٹھ گڈوڈیا جسے جانے ہے ہر ایک فرد
کافر کی شکایت کریں کیا خاک بھلا ہم
لے فتویٰ کوئی مفتی سے اب جا کے مسلمان
ہے حکم محمد یہی اے مسلم خستہ!
گر پڑھتے ہیں ہم کلمہ توحید زبان سے
آئیں تو ذرا دیکھیں وہ اس خانہ رب کو
پامال کیا کس طرح اس خانہ رب کو
بت خانہ بنایا اسی نے خانہ رب کو
دیرانہ کیا اپنوں ہی نے خانہ رب کو
سجدہ کریں مندر کو یا ہم خانہ رب کو
ہستی کو فنا کر دے، بچا خانہ رب کو
ہم جاں نذر کردیں گے اس خانہ رب کو

آئی یہ صدا غیب سے اے سیٹھ ذرا اٹھ

لے ہاتھ میں شمشیر بچا خانہ رب کو

یہ شے وہ تھی جس کی وجہ سے میں بے تابانہ اس کی حمایت کے لیے کھڑا ہو گیا۔“

حضرت علیہ الرحمہ مسجد مذکور میں خطابت و امامت کے فرائض انجام دیتے تھے اور پشتے کے بارے میں جو غلط فیصلہ کیا تھا، وہ مسجد کمیٹی کے ممبران نے کیا تھا۔ مگر کمیٹی سے اس نازک تعلق کے باوجود حضرت علیہ الرحمہ نے اظہار حق میں دریغ نہ کیا۔ حالانکہ اسی مسجد کے مدرسہ عالیہ عربیہ کے بعض اساتذہ نے اسی بنا پر پہلو تہی کیا۔ جب سیٹھ احمد میمن مرحوم نے مسجد کے پشتے کے بارے میں حضرت علیہ الرحمہ سے شرعی فتویٰ لیا تو حضرت علیہ الرحمہ نے بڑی بے باکی کے ساتھ تحریر فرمایا:

”مسجد کا کوئی حصہ تصرف میں لانا ناجائز ہے اور اس قسم کے تصرف کی اجازت

دینی بھی متولیان وغیرہ کو ناجائز ہے۔ تصرف میں لانے والے یا اجازت دینے والے

دونوں گنہگار، دونوں کو اس سے باز آ جانا چاہیے اور آئندہ کے لیے توبہ، اور جو عمارت

مسجد کے حصے پر بنائی گئی ہے اس کا گرا دینا واجب ہے۔“

چنانچہ اس فتویٰ کا شائع ہونا تھا کہ مسلمانانِ دہلی میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ بے شمار

افراد آنا فانا مسجد میں جمع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دیوانہ وار اس عمارت کی پاڑ پر چڑھ گئے اور

دھڑا دھڑا گرانہ شروع کر دیا۔ اس پشتے کی داستان بڑی افسوس ناک ہے۔

قانونی میدان میں حضرت علیہ الرحمہ کے دوسرے معتقد و مخلص جناب محمد شفیع باڑی

(کلکتہ) کوشش کر رہے تھے۔ منظمہ کمیٹی اور ہندو سیٹھ کے خلاف مقدمہ دائر کیا گیا۔ یہ مقدمہ

برسوں چلا، اور بالآخر تقسیم ہند سے کچھ عرصہ قبل منظمہ کمیٹی اور ہندو سیٹھ کے خلاف فیصلہ سنا دیا

گیا۔ فالحمد لله علی ذلک!

چونکہ ممبران مسجد کمیٹی کے غیر شرعی امور کے ارتکاب کی وجہ سے مسلمانانِ دہلی میں

۱۔ سیٹھ احمد میمن: دہلی کی نئی مجلس اوقاف، مطبوعہ کمال پرنٹنگ پریس دہلی، ۳۰ اپریل ۱۹۴۴ء، ص ۱

۲۔ ایضاً: ص ۲

شورش پیدا ہو چکی تھی۔ اس لیے جب ”دہلی سنی مجلس اوقاف“ قائم ہوئی تو مسلمانانِ دہلی کے اصرار اور خود مجلس اوقاف کے بانیوں نے حضرت علیہ الرحمہ کی مجلس میں شمولیت کو ضروری سمجھا۔ چنانچہ ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں حضرت علیہ الرحمہ کو اس مجلس میں بحیثیت ممبر شریک کر لیا۔ حضرت کی رکنیت دہلی کے مسلمانوں کے لیے نہایت مسرت بخش تھی۔ اس حسن انتخاب پر اظہارِ طمانیت کرتے ہوئے سیٹھ احمد میمن مرحوم نے حضرت کی شخصیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

”حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مظہر اللہ صاحب اہل سنت کے ایک زبردست عالم ہی نہیں ہیں بلکہ آپ ایک روحانی مقتدا بھی ہیں۔ آپ علم و عمل کے جامع ہیں اور صحیح معنوں میں عالم باعمل ہیں۔ شہرت اور نام و نمود سے نفرت رکھتے ہیں۔ اور علم ظاہری اور باطنی دونوں کے سرچشمے اس ذات مقدس سے جاری ہیں۔ آپ مخالف و موافق سب ہی کے لیے دعا گو ہیں۔ آپ کی مجلس میں کبھی آپ کے کسی مخالف پر سب و شتم نہیں ہو سکتی کہ آپ ایک پیکرِ تواضع اور مجسمہ اخلاقِ اسلامی ہیں۔ علم و عمل کی ایسی جامع ہستیاں آج ہندوستان میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ اور سلفِ صالحین کے قدم بقدم چلنے والے آپ کے نمونے کے افراد ہمارے زمانے میں زیادہ نہیں ہیں۔ آپ کی یہی خوبیاں ہیں کہ جب اوقاف کی نئی مجلس قائم ہوئی تو آپ کا نام نامی خود بانیانِ مجلس جدید کے خیال میں آیا کہ چمکنے والے مصنوعی جواہرات تو بہت ہیں حقیقی نورانیت جس گھر میں نظر آتی ہے کیوں نہ اس گھر کے رہنے والے کو مجلس اوقاف کے شرعی معاملات میں سچی شرعی رہنمائی کی خاطر منتخب کیا جائے۔“

۱۔ ۱۹۴۴ء میں یہ کمیٹی توڑ کر ”سنی مجلس اوقاف“ کے نام سے نئی کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے صدر شہید ملت لیاقت علی خان تھے، اور ممبران میں حضرت مفتی اعظم کو بھی شریک کیا گیا۔ حضرت علیہ الرحمہ کی شرکت امور شرعیہ میں کمیٹی کو فتویٰ دینے کے لیے تھی۔ چنانچہ پاکستان کے مشہور قلم کار جناب ارتضیٰ حسین المعروف بہ ملا واحدی (جو ”دہلی سنی مجلس اوقاف“ کے ممبر تھے) راقم الحروف سے فرماتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ مجلس کی نشستوں میں شرکت کے لیے تشریف لاتے تو خاموش بیٹھے رہتے۔ جب کبھی کسی شرعی امر میں مشورے کی ضرورت ہوتی تو ممبران رجوع کرتے اور حضرت علیہ الرحمہ اس کی وضاحت فرمادیتے۔ ممبران کمیٹی کی شریعت سے بے خبری نے وہ روز بد دکھایا تھا جب مسجد کے پتے پر ہندو سینٹھ نے مندر نما عمارت کھڑی کی تھی، اس لیے اس کمیٹی کے لیے امور شرعیہ میں رہنمائی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور آپ پورے اتفاق رائے سے منتخب ہوئے۔ باوجودیکہ اس جگہ کی خواہش کرنی تو کجا، آپ تو اس جگہ کے لیے کسی عنوان رضا مند ہی نہیں ہوتے تھے۔ یہ تو اکابرین شہر اور مخلصین کا اصرار ہی تھا کہ طوعاً کرہاً آپ کو مجبور ہونا پڑا۔“

لیکن حضرت علیہ الرحمہ نے ”سنی مجلس اوقاف“ کی رکنیت اس عزم کے ساتھ قبول فرمائی کہ ممبران مجلس کو امور شرعیہ میں اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہیں گے اور ان کی رہنمائی فرمائیں گے اور اگر ذرا بھی یہ محسوس کیا کہ مجلس امور شرعیہ میں محتاط نہیں تو فوراً استعفیٰ دے کر علیحدگی اختیار فرمائی۔ کسی مذہبی یا غیر مذہبی مجلس کی رکنیت قبول کرتے وقت فی زمانہ ایسی حزم و احتیاط اور اخلاص عنقا ہو گیا ہے۔ مجلس اوقاف میں حضرت علیہ الرحمہ کی شمولیت کے وقت مسلمانانِ دہلی نے جو توقعات آپ کی ذات گرامی سے وابستہ کر رکھی تھیں، آپ نے اس کو پورا کر دکھایا۔ سیٹھ احمد میمن، حضرت علیہ الرحمہ کے اخلاص و نیک نیتی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آپ کی مجلس کے حاضر باش حضرات کو یقین ہے کہ مجلس اوقاف میں آپ محض اس ارادہ خیر کے ساتھ تشریف لے گئے ہیں کہ اسلامی اوقاف کی وہ خدمت انجام دیں جس کی مفتی شرع ہونے کی حیثیت سے آپ سے توقع کی گئی ہے۔ آپ پوری شرعی ذمہ داری کے ساتھ اپنا فرض اس مجلس میں انجام دیں گے۔ اور مجلس میں قیام، پوری مدت انتخاب کے لیے، اس حالت میں فرمائیں گے جبکہ آپ دیکھیں گے کہ آپ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے لیے ایک کامل رہبر کا وجود مسعود لازمی تھا جس کا انتخاب کیا گیا۔

شہید ملت لیاقت علی خاں ۱۹۲۷ء تک مجلس اوقاف کے صدر رہے۔ اس کے بعد صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم صدر ہوئے۔ پھر ممبر پارلیمنٹ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی مرحوم صدر ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم مؤخر الذکر کی صدارت کے دوران استعفیٰ ہو گئے تھے۔ کیونکہ مجلس اوقاف شرعی معاملات میں غیر محتاط ہو گئی تھی اور مجلس اوقاف میں حضرت مفتی اعظم نے شرکت ہی اس غرض سے کی تھی کہ شرعی معاملات میں کمیٹی کی رہنمائی فرمائیں۔ مسعود

۱۔ سیٹھ احمد میمن، دہلی کی سنی مجلس اوقاف، ص ۳

موجودگی اسلامی اوقاف کے لیے مفید ہے، ورنہ استعفیٰ دے دیں گے۔

دعا ہے کہ خداوند عالم ایسی مبارک ہستیوں کو دیرگاہ قائم و برقرار رکھے کہ یہ قحط الرجال کا زمانہ ہے، اور جو ایسی چند صورتیں ہندوستان میں ہمارے زمانے میں نظر آتی ہیں، غنیمت ہیں کہ ان کے گزر جانے کے بعد لوگ ایسی صورتوں کو ترستے رہیں گے۔

ولعل اللہ يحدث بعد ذلك امراً

مسجد فتحپوری کی منتظمہ کمیٹی کوئی معمولی کمیٹی نہ تھی۔ دہلی کے علماء و عمائدین شریک تھے۔ مفتی کفایت اللہ بھی اس کے ممبر تھے۔ دنیا میں کسی مسجد کے امام کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ منتظمہ کمیٹی کے فیصلوں میں دخیل ہو اور شریعت کی پاسداری میں اس کے خلاف آواز بلند کرے، اور رائے عامہ ہموار کر کے اس کو جھکنے پر مجبور کر دے۔ لیکن حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی دینی حمیت اور غیرت کا یہ عالم تھا کہ نتانج و عواقب سے بے نیاز ہو کر اعلاء کلمۃ الحق فرمایا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے محو تماشا لپ بام ابھی!

حضرت مفتی اعظم نے جس بے مثال استقلال و استقامت کے ساتھ خانہ خدا کی حفاظت فرمائی، مولیٰ تعالیٰ نے بھی حضرت کی پوری پوری حفاظت فرمائی۔ بلاشبہ جو اس کی مدد کرتا ہے، پھر وہ اس کی مدد کرتے ہیں۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم۔

۲

ایک مرتبہ والی ریاست حیدرآباد دکن میر عثمان علی خان^۲ (م۔ ۱۹۶۷ء) اپنے اسٹاف کے ساتھ دہلی تشریف لائے۔ خواجہ حسن نظامی مرحوم (م۔ ۱۹۵۴ء) کے موصوف سے بڑے

۱۔ سیٹھ احمد میمن: دہلی کی سنی مجلس اوقاف، ص ۴

۲۔ میر عثمان علی خان نظام دکن ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں ساتویں نظام کی حیثیت سے تخت نشین ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں بھارتی حملے کے بعد معزول کر دیے گئے اور ۲۴ فروری ۱۹۶۷ء/ ۱۲ رزیقہ ۱۳۸۶ھ بروز جمعہ کنگ کوٹھی میں انتقال کر گئے۔

(روزنامہ جنگ، کراچی، شمارہ ۲۶ فروری ۱۹۶۷ء، ص ۱، ک، ۲۱)

مخلصانہ تعلقات تھے۔ خواجہ صاحب دہلی کے ممتاز علماء کو نواب صاحب سے ملوانا چاہتے تھے تاکہ ان کے لیے وظیفے جاری ہو جائیں۔ چنانچہ موصوف ازراہ ہمدردی و کرم نوازی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں حضرات کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ مولانا سیف الاسلام صاحب نے اس طرح نقل فرمائی ہے:

خواجہ صاحب: ”نظام حیدرآباد یہ جمعہ نظام الدین پڑھیں گے، میں چاہتا ہوں کہ کسی

وقت آپ نظام صاحب کو اپنی ملاقات سے مشرف فرمائیے۔“

حضرت مفتی اعظم: ”اگر ان کو میری ملاقات کا شوق ہے تو بڑے شوق سے آئیں، میں بھی

ان کی ملاقات سے خوش ہوں گا۔ مگر یہ طریقہ میرے اجداد کے خلاف

ہے کہ میں کسی بادشاہ یا نواب کے پاس جاؤں۔“

اس واقعہ کے راوی مولانا سیف الاسلام اور خواجہ حسن نظامی کے درمیان مخلصانہ

تعلقات تھے، چنانچہ جب مولانا سیف الاسلام، خواجہ صاحب کے ہاں تشریف لے گئے تو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے سلسلے میں ان دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

خواجہ صاحب: ”دیکھئے مولانا سید احمد صاحب بخاری شاہی مسجد کے امام میر عثمان

صاحب والی حیدرآباد سے ملے تو ان کو پانچ سو ماہانہ وظیفہ مقرر ہو گیا۔

سیف الاسلام: ”خواجہ صاحب! مگر مولانا مظہر اللہ صاحب تو ہزاروں (روپے) خود

غریبوں، مسافروں، مصیبت زدوں پر خرچ کر دیتے ہیں۔ انہیں بھلا

پانچ سو روپے کا کسی سے لالچ کیا ہو سکتا ہے؟“

خواجہ صاحب: ”آپ تو مولانا مظہر اللہ صاحب کے قریب ہیں۔ بتائیے ان کے

پاس روپیہ کہاں سے آتا ہے؟“

سیف الاسلام: ”وہی دیتا ہے جس نے بانگ دہل فرمایا ہے: ومن یتوکل علی

اللہ فہو حسبہ۔ اور یہ بھی (فرمایا ہے) وعلی اللہ

فتو کلوا ان کنتم مؤمنین۔“

زمن گو صوفیان باصفا را خدا جوین معنی آشنا را
 غلام ہمت آں خود پرستم کہ با نورِ خودی بیند خدا را
 دوسری مرتبہ دہلی کے زمانہ قیام میں نواب صاحب نے کسی علمی مسئلے کے بارے میں
 استفسار کے لیے اپنی قیام گاہ ”حیدرآباد ہاؤس، نئی دہلی“ میں حضرت کو بلایا۔ مگر اس مرتبہ بھی
 حضرت نے صاف جواب دے دیا:

”ضرورت ان کو ہے، انہیں کو آنا چاہیے۔“

۳

۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء میں جب حج بیت اللہ شریف کے لیے تشریف لے گئے تو مکہ معظمہ
 میں شاہ سعود کی طرف سے شاہی دسترخوان پر مدعو کیا گیا۔ مگر حضرت نے یہ کہہ کر رد فرمایا:
 ”جوشہنشاہ کائنات کے دربار میں آیا ہے، اس کو کسی اور دربار میں حاضری کی
 ضرورت نہیں۔“

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
 سبحان اللہ سبحان اللہ!

نہ محتاجِ سلطان، نہ مرعوبِ سلطان محبت ہے آزادی و بے نیازی

۴

برطانوی حکومت کے زمانے میں اکثر سرکاری دعوت نامے آتے رہے مگر حضرت نے

۱۔ مکتوب مولانا سیف الاسلام، محررہ ۲۶ مئی ۱۹۷۳ء از لاہور

نوٹ: ماہنامہ ”عقیدت“ نئی دہلی شمارہ جولائی و اگست ۱۹۶۳ء میں علامہ اخلاق حسین دہلوی اور ماہنامہ ”ہمدرد“ کراچی، شمارہ
 ۱۹۶۶ء میں ارتضیٰ حسین ملا واحدی نے اپنے اپنے مضامین میں نظام حیدرآباد دکن کی دعوت اور حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ
 کے استغناء و بے نیازی کا ذکر کیا ہے۔ خود حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ”فتویٰ رویت ہلال“ (مطبوعہ دہلی
 ۱۹۵۹ء، ص ۸۷) میں نظام دکن کے بلاوے اور اپنے نہ جانے کا بڑے عجز و انکسار سے ذکر فرمایا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
 نظام دکن نے ایک سے زیادہ مرتبہ یاد کیا، اور حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ہر بار اعراض فرمایا اور تشریف نہیں لے گئے۔

ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات
 مسعود

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

کبھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔ تقسیم ہند کے بعد بھی اعیانِ مملکت کی طرف سے دعوت نامے آتے رہے، مگر حضرت نے ساری عمر بے نیازانہ بسر کی۔

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سردار

(۵)

۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء میں کئی حادثے رونما ہوئے لیکن قدم قدم پر مولیٰ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی۔ دولت کدے کو اڑانے کے لیے زینے میں بم رکھا گیا۔ لیکن وہ بروقت معلوم کر لیا گیا۔ فسادات کے دوران دولت کدے کے آگے ایک ہجوم میں ایک سکھ نے شہید کرنے کے لیے تلوار نکالنا چاہی لیکن ایک جانثار نے اس کو لکارا تو وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ حضرت کے چہرے مبارک پر اضطراب کا نام و نشان بھی نہ تھا، سکون ہی سکون تھا، طمانیت ہی طمانیت تھی۔

حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی

خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گونا گوں

اس زمانے میں نماز جمعہ کے بعد مسجد فتحپوری کے جنوبی دالان کے آگے حضرت کی گزرگاہ پر ایک بم پھینکا گیا مگر دو منٹ ہوئے تھے کہ حضرت وہاں سے تشریف لے جا چکے تھے۔ بم پھٹتے ہی ایک کہرام مچ گیا اور آواز سنتے ہی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ واپس تشریف لائے اور زخمیوں کی عیادت فرمائی۔

یہ واقعات معمولی نہیں، ان سے ایک طرف عہدِ کامل کی طمانیت کا حال معلوم ہوتا ہے تو دوسری طرف معبودِ برحق کی حفاظت کی شان نظر آتی ہے۔ جو اس کے ہو جاتے ہیں، پھر ان کو کوئی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔

ستمبر ۱۹۴۷ء میں دہلی کے خونیں فسادات کے زمانے میں جبکہ ناموسِ مسلم کا سوائے حق جل مجدہ کے کوئی محافظ نہ تھا۔ مسجد فتحپوری چاروں طرف سے دشمن کے زرنغے میں تھی۔ مسجد میں حضرت علیہ الرحمہ موجود تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ ہی کی استقامت کو دیکھتے ہوئے چند

ملازمین اور طلبہ بھی ٹھہرے ہوئے تھے، مگر سہمے ہوئے تھے۔ فسادات کے دوران ایک ایسا وقت آیا کہ زندگی کے تمام آسے ٹوٹ گئے۔ ہر شخص سرا سیمہ، موت کا منظر تھا۔ دہلی کے کوچہ و بازار خون مسلم سے لالہ زار بنے ہوئے ہیں، فضاؤں سے دہشت ٹپک رہی ہے، زندگی کا کوئی آسرا نہیں، ملک الموت منتظر ہے۔ لیکن اس اضطراب و بے چینی کے عالم میں جب اس مرد کامل کو حجرہ شریف میں دیکھا تو سکون قلبی کے ساتھ اپنے علمی مشاغل میں مصروف پایا۔ معلوم ہوتا تھا کہ غارتور سے بلند ہونے والی صدائے ازلی ”لا تحزن ان اللہ معنا“ دل تھامے ہوئے ہے۔ معیتِ الہی کا احساس ہو تو اس کمال کا۔۔۔ راقم الحروف بھی حاضر ہے۔ اس قیامت کی گھڑی میں مولانا حفظ الرحمن (ممبر پارلیمنٹ) آپہنچے کہ فوج کی معیت میں مسجد کے بے کس و مجبور مسلمانوں کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔ مگر جب اہالیانِ مسجد نے حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں عرض کیا کہ کسی محفوظ مقام پر تشریف لے چلیں، مسجد کو مقفل کر دیں۔ اس پیکر صبر و استقامت نے فرمایا:

”آپ حضرات کو اجازت ہے۔ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، فقیر کو یہیں رہنے دیں۔ کل قیامت کے دن اگر مولیٰ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا۔ تو اس کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ تو فقیر کیا جواب دے گا۔“

ع ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

یہ سن کر حاضرین کی آتش عشق بھڑک اٹھی۔ ایک ضعیف العمر ملازم نے ایک نعرہ مستانہ لگایا اور گلوگیر آواز میں کہا:

”میں اپنی جان قربان کر دوں گا، میری قبر مینارہ مسجد کے نیچے بنے گی۔“

الغرض حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی بے مثال عزم و ہمت دیکھ کر سب جانثار مسجد ہی

میں رہے۔۔۔ اس موقع پر حضرت کے صاحبزادگان مولانا الحاج محمد احمد علیہ الرحمہ اور مولانا منظور احمد علیہ الرحمہ بھی موجود تھے، اور راقم الحروف بھی موجود تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عین اضطراب میں سکون و طمانیت کا یہ عالم کبھی نہ دیکھا تھا۔

قدسیوں کو رشک اس جمعیت خاطر پہ ہے
 کچھ نہیں کھلتا کہ میں کس کے پریشانوں میں ہوں
 چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ تشریف نہیں لے گئے۔ اور مسجد فتحپوری میں رہ کر تمام شدا شد و مصائب
 کا استقامت و پامردی کے ساتھ مقابلہ فرمایا اور مسجد پر آنچ نہ آنے دی۔ حق جل مجدہ کی طرف
 سے بھی اس وفا شعاری اور عزیمت پسندی کا وہ صلہ ملا کہ قیامت تک کے لیے خانہ خدا کی مہمانی
 کے شرف سے نوازا گیا۔

ثم یجزاہ الجزاء الاوفی وان الی ربک المنتھی
 فسادات سے چند روز پہلے جب کہ دہلی کی فضا میں آنے والے طوفان کی خبر دے رہی
 تھیں، مخلصین و محبین نے عرض کیا:

”چونکہ مسجد فتحپوری چاروں طرف سے غیر مسلموں سے گھری ہوئی ہے، اس لیے
 اب رات کو حجرہ شریف میں آرام نہ فرمایا کریں۔“

حضرت علیہ الرحمہ نے اس درخواست کو قبول نہ فرمایا۔ اور جب مسلمانوں نے عاجزی
 اور لجاجت سے پھر درخواست کی اور عرض کیا:

”آپ کی جان ہم کو اپنی جان سے پیاری ہے، آپ حجرہ شریف میں نہ رہیں، بلکہ
 دولت کدے پر آرام فرمائیں۔“
 آپ نے ہنس کر فرمایا:

”کیا میرا حافظ، اللہ تعالیٰ ساتھ نہیں ہے۔“

اللہ اللہ! یقین ہو تو ایسا ہو۔

نقطہ پر کارِ حق، مرد خدا کا یقین
 اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

عزیمت کی ایک شاندار مثال اس وقت دیکھنے میں آئی جب حضرت کے ہونہار، لائق

اور حسین و جمیل جواں سال فرزند مولانا منور احمد علیہ الرحمہ کا ۱۹۴۴ء میں وصال ہوا۔ جس نے یہ داغ اٹھایا ہے، وہی اس شدت کو محسوس کر سکتا ہے۔ جب مولانا منور احمد علیہ الرحمہ کو کفنا کر لٹایا گیا تو حضرت سرہانے کھڑے مسکرا رہے تھے اور یہ الفاظ زبان مبارک پر تھے:

”اے مولیٰ! تو اپنے بندے کو آزمانا چاہتا ہے، ترا بندہ ہرگز ہرگز مضطرب نہ ہوگا، وہ تیری رضا پر راضی ہے۔“

حریف نالہ پر درد ہو تو ہو پھر بھی

ہے ایک تبسم پنہاں ترا بہائے چمن

اسی طرح دوسرے جواں سال اور عالم و فاضل صاحبزادے حضرت مولانا منظور احمد علیہ الرحمہ ۱۹۴۹ء میں حیدرآباد، سندھ میں انتقال فرما گئے۔ ایک جواں سال فرزند کی عارضی مفارقت ہی والدین کے لیے قیامت ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ آنکھوں سے اوجھل لخت جگر اللہ کو پیارا ہو جائے۔ جب وصال کی اطلاع دی گئی تو قلب مبارک پر کیا کچھ نہ گزری ہوگی۔ لیکن اس عظیم سانحہ پر زبان سے جو کچھ فرمایا وہ وہی تھا جو سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے فرزند عزیز کے وصال پر فرمایا تھا۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اپنے ایک تلمیذ رشید حافظ عبد السمیع مرحوم کے تعزیتی خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”کل حیدرآباد سے تارا آیا۔ مولوی منظور احمد انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ

راجعون! یہ فرزند میری اولاد میں نہایت جلیل القدر عالم تھا۔ ان کے اساتذہ کا بیان

ہے کہ ہم نے طے کر لیا تھا کہ اگر اس کی عمر نے وفا کی تو شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے

درجہ کو پہنچے گا۔ پس ایسے لائق فرزند کی مفارقت سے تم سمجھ سکتے ہو کہ مجھ کو کس قدر الم

ہونا چاہیے۔ لیکن فقیر اپنے رب کریم کی رضا پر راضی ہے، تم کو بھی صبر کرنا چاہیے۔“

تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے
خلش درد کی بن آئی ہے

اس عالم حزن و یاس میں ظاہر ہے کہ ایک مشفق باپ کے تاثرات کیا ہو سکتے تھے۔ مگر

حضرت علیہ الرحمہ نے اس جانکاہ سانحہ کی خبر اپنے تلمیذ رشید حافظ عبدالسمیع مرحوم کو ان الفاظ میں دی جس کو پڑھ کر وہ سماں سامنے آتا ہے جب آنحضرت ﷺ کی گود میں آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم وصال فرما رہے تھے۔ آپ روتے جاتے اور فرماتے جاتے:

”ہم اللہ کی رضا پر راضی ہیں، ہماری زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکل سکتا جو رضائے الہی کے خلاف ہو۔“

(۷)

تبلیغ اسلام میں حضرت علیہ الرحمہ نے جس عزم و ہمت کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ تقسیم ہند سے قبل ہزار ہا غیر مسلموں کو مشرف باسلام کیا۔ مگر بعد میں جبکہ کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی، حضرت مرحوم نے بے خوف و خطر ہو کر غیر مسلموں کو مسلمان کیا۔

یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

سیاست

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اور آپ کے اجداد کرام نے ہر نازک دور میں ملک و ملت کی خدمت کی۔ چنانچہ حضرت کے والد ماجد مولانا مفتی محمد سعید علیہ الرحمہ کے عم محترم حضرت مولانا قاری محمد مصطفیٰ علیہ الرحمہ نے (جو انقلاب ۱۸۵۷ء کے وقت مسجد فتحپوری میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے) دہلی پر انگریزوں کے حملے کے وقت فتویٰ جہاد پر دستخط ثبت فرمائے۔ یہ فتویٰ بہادر شاہ ظفر کے حکم سے دہلی کے تمام مطبعوں میں چھپا اور اس نے مجاہدین آزادی میں آزادی کی ایک نئی روح پھونک دی۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ بھی تحریک آزادی ہند سے الگ تھلگ نہیں رہے۔ البتہ سیاسی معاملات میں ہمیشہ شریعت کے کو پیش نظر رکھا۔ تحریک خلافت ۱۹۱۹ء کے آغاز میں کچھ عرصہ شریک رہے لیکن جب تحریک ترک موالات ۱۹۲۰ء کا آغاز ہوا تو اس سے علیحدہ ہو گئے

۱۔ نوائے آزادی، مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۷ء، عکس فتویٰ، ص ۹۸۔

اور ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس فتوے کی بنیاد سیاسی نہ تھی بلکہ خالصتاً شرعی تھی۔
 عقائد و سیاست میں مفتی اعظم کا مسلک واضح تھا۔ انہوں نے کبھی کسی مصلحت کی بنا پر
 اپنے نظریات و فیصلوں میں نشیب و فراز آنے نہیں دیا۔ وہ اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے:

ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رفیق

یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی کے ایماء پر تحریک ترک موالات چلائی گئی۔ مفتی اعظم نے اس
 بناء پر اس کی مخالفت فرمائی کہ ایک طرف تو یہ تفریط کہ انگریزوں سے مطلقاً مقاطعت اور دوسری
 طرف یہ افراط کہ مشرکین ہند سے نہ صرف سیاسی تعاون بلکہ اخوت و محبت اور دوستی و یگانگت کی
 کوشش اور اس کوشش میں شعائر اسلام سے بھی لاپرواہی حتیٰ کہ بعض مسلمان اس شک میں پڑ گئے
 کہ ہندوستان کے ہندو مشرک بھی ہیں یا نہیں۔ چنانچہ اسی زمانے میں مفتی اعظم سے ایک سائل
 نے پوچھا اور سوال کیا:

”زید کہتا ہے کہ از روئے قرآن حکیم ہندوستان کے ہندو نہ مشرک ہیں نہ نجس۔ کیا

زید کا بیان صحیح ہے؟“

مفتی اعظم نے جواب دیا:

”غیر خدا کو واجب الوجود یا مستحق عبادت جاننا یا خدا کی کسی صفت خاصہ کو کسی

دوسرے کے لیے ثابت کرنا شرک ہے اور یہ شے ہنود میں موجود ہے۔ لہذا وہ مشرک

ہیں۔ زید کا ان کو مشرک نہ کہنا صحیح نہیں۔“ ۲

مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے ترک موالات پر نہایت جامع و محقق رسالہ

قلمبند فرمایا ہے۔ مولانا موصوف کے مرید خاص (۱۹۲۶ء) جناب اشتیاق علی سنبھلی نے

اپنا ایک واقعہ راقم کو سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری میں زیر تعلیم تھے۔ اسی

۱۔ فتاویٰ مظہری، جلد اول، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء فتویٰ نمبر ۲۳۹، ص ۳۲۹ تا ۳۳۲

۲۔ فوٹو ٹیٹ فتویٰ مفتی اعظم — عطیہ محمد معروف صاحب، کراچی

زمانے میں ایک جلسہ ہوا۔ جس میں ایک عالم نے ترک موالات کی حمایت کی اور اس سلسلہ میں ایک حدیث سے استدلال کیا۔ مجمع میں ”ہندو مسلم بھائی بھائی“ کے نعرے لگ رہے تھے۔ اشتیاق علی صاحب غیرت ایمانی سے جوش میں آ کر چلا اٹھے: ”تم غلط کہتے ہو۔“

بس پھر کیا تھا، سب لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو پکڑ کر حجرے میں لائے۔ جہاں فاضل جلیل مولانا عماد الدین سنبھلی علیہ الرحمہ بھی تشریف فرما تھے۔ مفتی اعظم نے ایک حدیث نکال کر حاضرین کو دکھائی اور فرمایا: ”اشتیاق علی صحیح کہتے ہیں۔“

اسی طرح حکومت ہند کی طرف سے ساردا بل پاس کیا گیا، تو مفتی اعظم نے اس کی مخالفت فرمائی۔ مسٹر ہر برلاس ساردا نے ہندو سوسائٹی میں رانج بچپن کی شادیوں کے خلاف اسمبلی میں ایک مسودہ قانون پیش کیا تھا۔ اسمبلی میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ کیوں نہ اس کا اطلاق مسلمانوں پر بھی کیا جائے۔ بعض نا عاقبت اندیش ممبروں نے اس کی حمایت کی۔ چنانچہ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۹ء کو یہ بل اسمبلی میں اور ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء کو مجلس مملکت میں پاس کر دیا گیا۔ اس کی رو سے ۱۸ سال سے کم عمر لڑکے اور ۱۴ سال سے کم عمر لڑکی کی شادی قانوناً قابلِ تعزیر جرم قرار دے دی گئی۔ چونکہ یہ کھلم کھلا ان رعایات میں مداخلت تھی جو اسلام نے اسلامی معاشرے کو دی ہیں۔ اس لیے بعض علماء حق نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ اس سلسلے میں مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری، دہلی کے صدر المدرسین مولانا سلطان محمود صاحب نے ”ساردا بل اور اسلام“ کے نام سے ایک محققانہ فتویٰ لکھا۔ جو اسی زمانے میں دہلی سے شائع ہوا۔ مختلف علماء نے اس کی تصدیق فرمائی۔ مفتی اعظم نے بایں الفاظ اس کی توثیق کی:

”اس رسالے کو میں نے دیکھا، جناب مولانا مولوی سلطان محمود صاحب نے قانون ساردا بل کے مضاد پر جس خوبی سے روشنی ڈالی، وہ قابلِ تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا ممدوح کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کو اس بلائے ناگہانی سے نجات دے کر مولانا ممدوح کی کوشش کو ٹھکانے لگائے۔“

(محمد مظہر اللہ غفرلہ، امام مسجد فتحپوری، دہلی)

۱۔ بروایت اشتیاق علی صاحب۔ حیدرآباد سندھ، ۱۳ اپریل ۱۹۷۴ء

مولوی محمود صاحب مذکور مسلک دیوبند کے عالم تھے۔ لیکن بایں ہمہ مفتی اعظم کے بارے میں یہ خیال رکھتے تھے:

”وہ شریعت کی برہنہ تلوار ہیں، ان کے ہاں کوئی مصلحت اور کسی قسم کی رورعایت ہی نہیں۔“^۱

مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی^۲ سے حضرت علیہ الرحمہ کے مخلصانہ تعلقات تھے۔ یہ حضرات حضرت کے پاس آتے جاتے تھے۔ چنانچہ مولانا منور حسین سیف الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی صاحبان بھی حضرت مفتی اعظم سے ملتے تھے۔ مگر حضوری کے بعد یہی کہتے تھے کہ مفتی صاحب اٹل ہیں، وہ مشرکوں کے ساتھ کسی صورت میں اشتراک کو جائز نہیں سمجھتے۔“^۳

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ دین و سیاست کو علیحدہ نہیں سمجھتے تھے کہ:

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

حضرت علیہ الرحمہ نے ہمیشہ سیاسی معاملات کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھا اور اس دینی اور سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا جو ان کے معاصرین علماء میں ماسوائے چند ایک کے، کسی کو حاصل نہ تھی۔ ترک موالات کے علاوہ جب مشرکین ہند کی تالیف قلوب کے لیے گائے کی قربانی ترک کرنے کی تحریک خود مسلمانوں کی طرف شروع ہوئی تو حضرت نے سخت مزاحمت فرمائی اور اس کے خلاف فتویٰ دیا۔^۴

۱۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: حیات مظہری، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۴ء، ص ۱۸

۲۔ مولانا شوکت علی کی تجہیز و تکفین بھی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی نگرانی میں ہوئی۔ مسعود

۳۔ مکتوب محررہ ۲۶ مئی ۱۹۷۴ء از لاہور

۴۔ ملاحظہ ہو ”فتاویٰ مظہری“ جلد اول، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء، فتویٰ نمبر ۲۳۵، ص ۳۲۱، ۳۲۲

نوٹ:- حافظ بشیر احمد غازی آبادی نے اخبار جنگ، کراچی شمارہ ۴ اگست ۱۹۷۴ء میں ”چند یادیں چند باتیں“ کے زیر عنوان حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا ایک اہم فتویٰ نقل کیا ہے۔ جو اخبار ”الہام“ بہاولپور کے شمارہ ۷ جولائی ۱۹۷۴ء میں جناب محمد صادق قصوری نے بھی نقل کیا ہے۔ مسعود

پھر ایک عرصے بعد جب تحریک پاکستان شروع ہوئی تو مفتی اعظم نے جذبات سے علیحدہ رہ کر قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلے صادر فرمائے، اور صحیح خطوط پر مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔ حق پسندی اور حق گوئی میں ان کا ثانی نہ تھا۔ وہ شریعت کے سامنے دوست و دشمن کسی کا پاس و لحاظ نہیں رکھتے تھے، خود تحریر فرماتے ہیں:

”الحمد لله على احسانه! میں نے مخالف کی طرف حق دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت سے دریغ نہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے قلب میں میری محبت راسخ ہو گئی۔ اس طرح اپنے دوست کی طرف باطل دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت نہ کی، اگرچہ وہ اس کی وجہ سے دشمن ہو گیا۔

لیکن مجھے نہ اس کی دوستی کی کچھ پرواہ اور نہ اس کی دشمنی کا کچھ خوف۔ والحمد لله على ذلك۔“

جس کا معیار حق گوئی یہ ہو وہ کسی سیاسی جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا کہ وہاں حمایت اور مخالفت کا دار و مدار مصلحت وقت پر ہوتا ہے، شریعت پر نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسا حق پسند انسان نیک مقاصد میں سیاسی جماعت کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ چنانچہ تحریک پاکستان میں حضرت نے موثر رہنمائی فرمائی۔

روزنامہ ”نئی روشنی“ کراچی کے ادارہ نگار لکھتے ہیں:

”حضرت علامہ مفتی محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ اگرچہ بظاہر ایک گوشہ نشین بزرگ تھے، لیکن جن لوگوں کو ان کا تقرب حاصل تھا یا ان کی دینی خدمات مخلصانہ سے واقف تھے، وہ جانتے ہیں کہ دہلی میں کانگریسی علماء کسے فتاویٰ شرکت کانگریس کے جواب میں استدلال شرعی سے موالات بالکفار کی نفی فرما کر تحریک مسلم لیگ و احیائے پاکستان کو بڑا فروغ دیا اور لاکھوں مسلمانوں کی ذہنی و فکری رہنمائی فرمائی۔“

۱۔ دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۶ء، ص ۲۰

۲۔ جناب محمد صادق قصوری نے ”حضرت مفتی اعظم کی ملی خدمات“ پر ایک تحقیقی مقالہ قلمبند کیا ہے، جو عنقریب شائع ہو جائے گا۔

۳۔ نئی روشنی، کراچی، شمارہ ۴، نومبر ۱۹۶۶ء، ص ۲، ک ۲/۱

لیکن حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے جس تحریک پاکستان کا احیاء فرمایا، وہ موجودہ پاکستان تھا، جہاں قرآن و سنت کی بالادستی ہوئی۔ جہاں کے عوام و خواص خدا اور رسول کے سچے اطاعت شعار اور فداکار ہوتے۔ لیکن حیف تحریک پاکستان کے اسلام دوست مخلص مجاہدین اس صبح فروزاں کے انتظار میں تارے گنتے گنتے تھک گئے اور تھک تھک کے خدا کو پیارے ہو گئے۔

کون جیتا ہے شب ہجر سحر ہونے تک
عمر اک چاہیے، یہ عمر بسر ہونے تک

اللہ اللہ!

مطلق پتا ملا نہ گریبانِ صبح کا
کیسی دراز دستی شب ہائے تاریکی
شکر ہے کہ اب امید کی کرن نظر آئی ہے۔ خدا کرے شبِ تاریک کے مارے صبح فروزاں کا نظارہ
کریں۔ آمین! اللہم آمین!

قائد اعظم محمد علی جناح حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے عقیدت رکھتے تھے۔ جس
زمانے میں مسلم لیگ نے پاکستان کے نظام حکومت کے لیے قرآن و سنت کا اعلان کیا۔ قائد اعظم
حضرت مفتی اعظم کی زیارت کے لیے مسجد فتحپوری حاضر ہوئے۔ اس ملاقات کا حال مسلم لیگ کے
سرگرم کارکن اور مبلغ اسلام حضرت مولانا سیف الاسلام کی زبانی سنئے۔ جب موصوف قائد اعظم کی
کوٹھی پر تشریف لے گئے تو ان کے اور قائد اعظم کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:
قائد اعظم نے فرمایا:

”کل میں حضرت مولانا محمد مظہر اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے کہ:

”آپ قرآن و سنت کے نام سے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی طرف بلا تے ہیں، مگر

افسوس کہ آپ خود قرآن و سنت سے واقف نہیں ہیں۔“

سیف الاسلام نے جواب دیا:

”حضرت مولانا کی غرض تھی کہ آپ اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ سے

واقف نہیں ہیں۔ ہاں تو حضرت یہ تو فرمائیے کہ جب مفتی مظہر اللہ صاحب نے یہ کہا تھا

تو آپ نے قوم کا لیڈر ہوتے ہوئے ان کو کیا جواب دیا؟

قائد اعظم نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

”میں نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھ کو قرآن و سنت کے علوم سے

آگاہ کر دے۔۔۔ تو مولانا نے دعا کر دی۔“

مولانا سیف الاسلام صاحب نے جواب دیا:

”بس آپ قرآن و سنت کے پکے مبلغ بن گئے۔“

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حزم و احتیاط کی انتہا تھی کہ جو قوم کو قرآن و سنت کی

طرف بلارہا تھا، اس کی خلوتوں کا حال بھی معلوم کرایا۔ کیونکہ بالعموم سیاست دانوں کا ظاہر و باطن

ایک نہیں ہوتا۔ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں، چنانچہ ایک روز مولانا سیف الاسلام سے فرمایا:

”آپ تو مسٹر محمد علی جناح صاحب کی کوٹھی پر جاتے رہتے ہیں، آپ ذرا دریافت

کیجئے گا کہ یہ نماز روزے کے پابند ہیں اور شراب وغیرہ چھوڑ چکے ہیں۔“

حضرت علیہ الرحمہ کی ہدایت پر سیف الاسلام صاحب تشریف لے گئے۔ یہ سارا ماجرا

خود ان کی زبانی سنئے:

”بھائی جان میں ایک دن خوب غصے میں بھرا ہوا کوٹھی پر پہنچا تو ان کا خادم خاص

ضلع بجنور کا سنی ہی تھا۔ میں نے کہا: ”بھائی! قائد اعظم تو جلسوں میں قرآن و سنت

پر عمل کرانے کیلئے پاکستان بنانے کا دعویٰ کر رہے ہیں، یہ تو بتائیے کہ یہ شراب تو نہیں

پیتے۔۔۔ اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔“

انہوں نے کہا کہ جب سے مسلم لیگ کی اشاعت کرتے اور اپنی جماعت کو مسلم

لیگ کہتے ہیں، کبھی بھی کوٹھی پر شراب نہیں آئی۔ رات کے دو بجے اٹھ کر نماز پڑھتے ہیں

اور بہت دیر تک سجدے میں روتے اور بہت گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں۔“

۱۔ مکتوب مولانا سیف الاسلام، محررہ ۲۶ مئی ۱۹۷۳ء

۲۔ مکتوب مولانا سیف الاسلام، محررہ ۲۶ مئی ۱۹۷۳ء

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ مسلمان سیاسی رہنماؤں (خصوصاً وہ جو اسلام کے داعی تھے) کی زندگی میں اتباع شریعت نبوی ﷺ پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ شہید ملت لیاقت علی خاں کی کوٹھی ”گل رعنا“ نئی دہلی تشریف لے گئے تو ان کو نماز کی تلقین فرمائی۔ انہوں نے شرم و ندامت سے سر جھکا لیا، اور یہ وعدہ فرمایا کہ پابندی کریں گے۔ کئی سال ہوئے شہید ملت کے پرسنل سیکرٹری مولانا ظفر احمد انصاری (ممبر قومی اسمبلی، پاکستان) نے بہاولپور میں ایک ملاقات کے دوران یہ بات بتائی تھی۔

الغرض حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے محض خدا کے لیے دین و ملت کی خدمت کی۔ اسی لیے پاکستان وجود میں آنے کے بعد دوسرے علماء کی طرح اس طرف رخ نہ کیا اور نہ اس پر اپنا حق جتایا۔ حضرت یہاں تشریف لاتے تو ان کے لیے کیا کچھ نہ ہوتا۔ لیکن حضرت نے شانِ تقویٰ کے خلاف سمجھا کہ پاکستان جا کر مادی منافع حاصل کیے جائیں، جس طرح دوسرے علماء نے حاصل کیے اور برابر حاصل کر رہے ہیں۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے خلوص و للہیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب ۱۹۶۱ء میں قیام کراچی کے دوران ان کے سینکڑوں مریدین و معتقدین نے پاکستان میں مستقل قیام کے لیے اصرار کیا تو آپ نے منظور نہ فرمایا۔ اس واقعہ کو روزنامہ ”نئی روشنی“ کراچی کے ادارہ نگار نے اس طرح نقل کیا ہے:

”جب مریدین نے قیام پاکستان کی درخواست کی تو فرمایا: ”یہاں اللہ کا کرم ہے۔ آپ سب آرام و سکون سے ہیں۔ خدا پاکستان کو اپنی رحمت سے نوازتا رہے۔ فقیر کے لیے دہلی کا گوشہ کافی ہے۔“ ۲

سبحان اللہ!

شمع کی طرح جنیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں ، دیدہ اغیار کو پینا کر دیں

۱۔ مکتوب مولانا سیف الاسلام، محررہ ۲۶ مئی ۱۹۷۳ء از لاہور

۲۔ شمارہ ۴ دسمبر ۱۹۶۶ء ادارہ

دہلی کا پندرہ روزہ اخبار ”غریب نواز“ اپنے ایک ادارے میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی مذہبی اور ملی خدمات کا اس طرح ذکر کرتا ہے:

”علم تصوف کے اس حقیقی شہنشاہ نے دولت و ثروت، لالچ و طمع اور شہرت و اقتدار جیسی ظاہری طاقتوں پر لات مار کر معبود حقیقی کی رضا و خوشنودی کے لیے جامہ فقیری میں مخلوق خدا کی جس طرح رہنمائی فرمائی۔ بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے بددینی اور بد عقیدگی کے خلاف جو ناقابل فراموش جدوجہد کی، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔“

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ خدا کے اس شیر نے ہر اس موقع پر جب مسلمانوں پر یا ان کے دین پر کسی بھی قسم کا ناپاک حملہ ہوا ہو، جب بھی اسلامی قوانین کی خلاف ورزی کرنے کے ناپاک ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بڑے بڑے ابن الوقت اور کھدر پوش ملّا بھی میدان میں نکلے تو خدا کے اس شیر نے نتائج سے بے پرواہ ہو کر ان کو لکارا اور حق بات کہنے سے گریز نہیں کیا۔“

حج بیت اللہ اور زیارتِ حرمین طہین

حضرت علیہ الرحمہ زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف سے بھی مشرف ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں اس مبارک سفر پر تشریف لے گئے۔ چونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے عاشق صادق تھے، اس لیے یہ عشق و محبت کشاں کشاں پہلے مدینہ منورہ لے گیا۔ وہاں تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا۔ ایام حج میں اتنے طویل عرصہ قیام کی اجازت نہیں، مگر حضرت علیہ الرحمہ سے

۱۔ پندرہ روزہ ”غریب نواز“ دہلی، مفتی اعظم نمبر، شمارہ یکم نومبر ۱۹۶۸ء ادارہ

نوٹ:- حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ تاسیس پاکستان کے ۱۴ برس بعد ۸ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو پاکستان تشریف لائے۔ پھر ۳۰ جولائی ۱۹۶۳ء کو دوسری بار تشریف لائے۔ پاکستان کے مختلف شہروں بالخصوص کراچی کے سیکڑوں مریدین و احباب مستفیض ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی آمد کی خوشی میں پاکستان کے علماء و مشائخ اور عوام نے ضیافتیں دیں، منقبتیں کہیں اور سپاس نامے پیش کئے۔ مسعود

حکومت وقت نے کہہ دیا کہ جتنے عرصہ چاہیں قیام فرمائیں — حقیقت میں یہ عشق نبوی ﷺ کا اعجاز ہے۔ گنبدِ خضرا کی زیارت سے حضرت علیہ الرحمہ کو جو مسرت و خوشی ہوئی۔ اس کا کچھ اندازہ ان واقعات سے ہو سکتا ہے:

(۱)

۱۹۵۲ء میں حضرت علیہ الرحمہ کے فرزند نسبتی حضرت علامہ مفتی محمد محمود صاحب حیدرآباد، سندھ سے زیارتِ حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ جب اس سفر مبارک کی حضرت علیہ الرحمہ کو اطلاع دی تو آپ نے جواباً جو مکتوب گرامی ارسال فرمایا، اس میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”میں کیا بتاؤں کہ میری طرف سے اس سرکار میں آپ کیا عرض کریں، آپ تو کچھ عرض کر بھی دیں گے، میری زبان نے تو بوقتِ حضورِ یاری دی نہ اب دیتی ہے۔“
 علامہ مدوح ہی کے نام ایک دوسرے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

”نامہ گرامی نے قلبِ مضطرب میں وہ تلاطم پیدا کر دیا جس نے جواب کی تحریر کے قابل بھی نہ رکھا۔ میں جو لکھنا چاہتا ہوں لکھا نہیں جاتا، جب لکھنے کا خیال کرتا ہوں گر یہ دامنگیر ہو جاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کیا لکھنا چاہتا ہوں اور کیا تم سے تمنا رکھتا ہوں یعنی ہر مقام پر دعا کی۔“

(۲)

اسی طرح حضرت کے ایک مرید و سفیر جناب محمد احمد صاحب قریشی نے جب اپنے والد ماجد جناب نور احمد مرحوم کے سفر حج پر روانگی کی اطلاع دی تو حضرت علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا:

”حقیقت یہ ہے کہ اس دیارِ پاک کی طرف ان کا ذوق و شوق قابلِ غبطہ ہے، مجھ جیسا ناکارہ شخص اس قابل کہاں کہ اس بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہو سکے۔“ کہ ایک مرتبہ اپنے کرم سے نواز تو اس ہی کی اس نابکار نے کیا قدر کی — لیکن ان کے کرم سے

۱۔ مکتوب بنام علامہ مفتی محمد محمود، حیدرآباد سندھ، موصولہ یکم مئی ۱۹۵۲ء

۲۔ مکتوب بنام علامہ مفتی محمد محمود، حیدرآباد سندھ، مرسلہ ۱۹۵۲ء

بعید نہیں کہ وہ اپنے آستانہ کی جبہ سائی کا پھر موقع عطا فرمائیں اور اپنے ہی قدموں میں کام تمام فرمادیں۔ افسوس! واللہ ثم واللہ میں نے کچھ قدر نہ کی۔“

۳

حضرت علیہ الرحمہ کے دوسرے فرزند نسبتی جناب حافظ قاری سید حفیظ الرحمن صاحب جب بہاولپور سے زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے حضرت علیہ الرحمہ کو اطلاع دی۔ حضرت علیہ الرحمہ نے اس خبر پر مسرت و خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

”اس تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے میرے چہیتے عزیز کو ایسی نعمت کے عطا فرمانے کا ارادہ فرمایا ہے جس کے استحقاق کی قابلیت اپنے میں ہم موجود نہیں پاتے، اپنی حاضری کے وقت بھی بار بار مسجد نبوی کے درو دیوار پر نظر اٹھا کر یہ سوچتا تھا کہ یہ منظر خواب میں مجھے میسر ہے یا واقع میں یہ نعمت عطا کی گئی ہے؟ — یہی اس وقت حال ہے۔“

ارادہ تو مستقل ہجرت کا تھا اور تمنا یہ تھی:

آستاں پہ تیرے سر ہو، اجل آئی ہو

پھر تو اے جانِ جہاں! تو بھی تماشا شائی ہو

مگر عزیزوں اور محبوبوں کے اصرار سے بادل ناخواستہ ہجرت کا ارادہ ترک فرمادیا — عشق الہی اور محبت نبوی ﷺ حیاتِ طیبہ پر محیط تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں نے جب وطن عزیز سے خاطر برداشتہ کیا تو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا:

”سوائے دیار محبوب کے کہیں جانے کو دل نہیں چاہتا۔“

حضرت علیہ الرحمہ مدینہ منورہ میں طویل قیام کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ یہاں

استغراق و محویت کا عجیب ہی عالم تھا۔ جونہ کبھی دیکھا اور نہ سنا۔

۱۔ مکتوب بنام محمد احمد قریشی، مرسلہ یکم مئی ۱۹۵۱ء

۲۔ مکتوب بنام حافظ قاری سید حفیظ الرحمن، مرسلہ ۲۰ مئی ۱۹۵۱ء

صاحب قلبی قط شنیاعیر کم کلاولیس سواکم مطلوبہ

حضرت کے رفقاء کہتے تھے کہ حضرت کے لوح قلب سے اور تو اور اولاد کے نام تک جو ہو چکے تھے۔ چنانچہ جب حضرت نے صاحبزادگان کی طرف سے عمرہ کرایا اور معلم عبید الرحمن نے سندت کے اجراء کے لیے صاحبزادگان کے نام دریافت کیے، تو باوجود ذہن پر زور ڈالنے کے حضرت کسی ایک کا نام نہ بتا سکے۔

وافی المحب فزارہ محبوبہ بشراہ یابشراہ ذامطلوبہ

یہ دیکھ کر سب حاضرین حیران رہ گئے۔ درحقیقت حق جل مجدہ اپنے بندوں سے اسی کمالِ محبت کا طلبگار ہے۔ یہی محبت معیار بندگی ہے۔

۔ دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

پاکستان آمد

تقسیم ملک اور قیام پاکستان کے بعد بہت سے احباب بچھڑ گئے تھے۔ یہ دور دورا ابتلاء تھا۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ نے کمال استقامت کے ساتھ غموم و آلام کو برداشت کیا اور دوسروں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔

۔ شمع کی طرح جنیں بزم گہ عالم میں

خود جلیں، دیدہ اغیار کو بیٹا کر دیں

پاکستان میں مہجور و غمگین احباب عرصہ دراز سے دیدار کے متمنی تھے۔ چنانچہ ۱۹۶۱ء میں پہلی بار اور پھر ۱۹۶۴ء میں دوسری بار پاکستان تشریف لائے۔ اور یہاں مختلف شہروں میں محبین و مریدین کو مستفیض فرمایا۔ بکثرت لوگ مرید بھی ہوئے۔

نیز پاکستان تشریف لانے میں حضرت علیہ الرحمہ کے نزدیک عزیمت پسندی مانع رہی۔ فوٹو کھنچوانا حضرت علیہ الرحمہ کے نزدیک شرعاً جائز نہ تھا۔ اس لیے احباب کے بار بار اصرار کے باوجود پاکستان تشریف نہیں لائے۔ حتیٰ کہ جب آپ کے صاحبزادے مولانا منظور احمد

علیہ الرحمہ کا حیدرآباد، سندھ میں وصال ہوا۔ اس وقت بھی تشریف نہیں لائے۔ حضرت نے اپنے مکاتیب شریف میں کئی مقامات پر اس طرف اشارہ فرمایا ہے — کئی سال بعد کسی حکمت سے حضرت کا فوٹو کھینچ کر پاسپورٹ بنوایا گیا۔ اور علامہ مفتی محمد محمود صاحب نے حضرت کو دعوت دینے کی غرض سے دہلی کا سفر کیا اور اصرار کا حق ادا کر دیا، طوعاً و کرہاً حضرت نے رضامندی کا اظہار فرمایا۔

۱۹۶۱ء میں پہلی بار پاکستان تشریف لائے۔ حضرت کا طیارہ کراچی کے ہوائی اڈے پر اترنا۔ فضائیں نعروں سے گونج رہی تھیں۔ عجب رقت انگیز سماں تھا۔ کراچی کے زمانہ قیام میں حضرت کی قیام گاہ پر ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا۔ ہزار ہا افراد مستفیض ہوئے۔ اہل محبت نے دعوتیں اور عصرانے دے کر اپنی اپنی محبت کا ثبوت دیا۔ حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی مدظلہ (صدر مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام) نے کراچی کے علماء کرام کو جمع کر کے حضرت کو عصرانہ پر مدعو فرمایا اور سپاس نامہ پیش کیا۔ جس میں حضرت کی دینی علمی خدمات کو سراہا گیا تھا۔ مختلف حضرات نے منقبتیں پیش کیں۔ جن میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں:

- مولانا ضیاء القادری بدایونی۔ ۲
- عزیز الملک مولانا محمد یوسف سلیمانی جے پوری
- مولانا عبدالسلام باندوی مرحوم اور
- قاضی محمد حمایت اللہ صاحب

کراچی میں قیام کے بعد حضرت حیدرآباد اور لاہور بھی تشریف لے گئے۔ ہر مقام پر شایان شان استقبال کیا گیا۔ لاہور میں بھی منقبتیں پیش کی گئیں۔ یہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

حضرت زیبا ناروی حکیم محمد عمر قریشی^۳ اور جناب محمد احمد قریشی^۴
 محبتیں نے پاکستان میں مستقل سکونت کے لیے درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

۱۔ وصال ۱۵ جمادی الاول ۱۳۹۰ھ / ۲۰ جولائی ۱۹۷۰ء بمقام کراچی

۲۔ وصال ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۹۰ھ / ۱۵ اگست ۱۹۷۰ء بمقام کراچی

۳۔ وصال ۳ ذیقعد ۱۳۱۰ھ / ۲۸ مئی ۱۹۹۰ء بمقام لاہور

۴۔ وصال ۲۸ شوال ۱۳۰۷ھ / ۲۵ جون ۱۹۸۷ء بمقام لاہور

”دہلی کے بے کس اور غریب مسلمانوں کو فقیر کی ضرورت ہے۔“

یہی وہ نفوس قدسیہ تھے جو اپنی ہر آسائش و راحت کو دوسروں کے لیے قربان کر دیتے ہیں، اور جن کے دل حزیں میں سب کا درد تھا۔ یہ درد انسانیت کی معراج ہے۔

خدا کے بندے ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے

میں اس کا بندہ بنوں گا، جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

دو ماہ قیام کے بعد حضرت نومبر ۱۹۶۱ء کے آخر میں دہلی تشریف لے گئے۔

جولائی ۱۹۶۳ء میں حضرت دوبارہ اور آخری بار پاکستان تشریف لائے۔ اس دفعہ پاکستان

کے بیشتر شہروں میں تشریف لے گئے اور ہر جگہ شایان شان استقبال کیا گیا۔ ضعف و نقاہت کے

باوجود احباب کی دلداری کا حق ادا کر دیا۔ سفر کرنا تو بڑی بات تھی، چلنا پھرنا مشکل تھا۔ مگر آپ

نے دوسروں کی راحت کے لیے اپنی تکلیف کی مطلق پرواہ نہ کی۔ اور کراچی، حیدرآباد،

میرپور خاص، بہاولپور، ملتان، منٹگمری (ساہیوال)، خانیوال، پاکپتن شریف، لاہور، شرقپور

شریف، راولپنڈی، مری وغیرہ کے تمام احباب اور مریدین کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ

فروگذاشت نہیں کیا۔

یہ حضرت کا آخری سفر تھا۔ ایک عزیز کو الوداع کہتے وقت خود فرمایا:

”اب انشاء اللہ جنت میں ملاقات ہوگی۔“

جب لاہور کے ہوائی مستقر سے حضرت علیہ الرحمہ دہلی تشریف لے جا رہے تھے تو

عجب رقت انگیز منظر تھا۔ عقیدت مند، عقیدت کے آنسو بہا رہے تھے۔ دل تھے کہ سینوں سے

نکلے جا رہے تھے۔ حراماں نصیبی سی حراماں نصیبی تھی۔

وداع صحبت ساقی سے مے خانہ غم خانہ ہے

رحلت

مجلس اوقاف کی رکنیت سے علیحدگی کے کچھ عرصہ بعد تک حضرت علیہ الرحمہ امامت و

خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے، مگر بعد میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔ لیکن آخری چند سالوں

میں علالت کے دوران معمولات میں بالکل فرق نہیں آیا۔ ضعف و نقاہت کی وجہ سے ہاتھ کانپتے تھے، پیر لڑتے تھے۔ مگر اس کے باوجود بے شمار خطوط اور فتوؤں کے جوابات لیٹے لیٹے خود تحریر فرماتے تھے۔ جمعہ جمعہ مسجد شریف میں تشریف لا کر مجبین و معتقدین کو اپنے دیدار سے مشرف فرماتے اور ملفوظات سے نوازتے۔ آخر وقت تک کسی سے کسی کا سہارا نہ لیا۔ کہ ان کا تکیہ تو اسی محبوب حقیقی پر تھا جس سے بڑھ کر کوئی سہارا نہیں۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ عرصہ دراز سے علیل تھے۔ کئی بار فالج کا حملہ ہوا مگر مولیٰ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور تقریباً ۷۰ سال اپنے علمی اور روحانی کاموں میں مصروف رہے۔ لیکن بالآخر وہ ساعت فراق آئی جو آنی ہے۔ ہمارے لیے فراق ہے مگر ان کے لیے وصال ہی وصال ہے۔ وصال سے قبل آپ نے اس آنے والی ساعت کی خبر دی۔ چنانچہ تحریک ختم نبوت کے قائد مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد قادری علیہ الرحمہ کے صاحبزادہ مولانا سید خلیل احمد قادری علیہ الرحمہ جب دہلی حاضر ہوئے تو فرمایا:

”بس اب ہماری جدائی بھی ہونے والی ہے۔“

مولانا نے عرض کیا: ”حضور کی بڑی ضرورت ہے۔“

آپ نے فرمایا: ”مرضی مولیٰ!“

پھر رخصت کرتے وقت فرمایا: ”یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔“

وصال سے کئی سال قبل حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ پر عشق الہی کا ایسا غلبہ تھا کہ مخلوق تو مخلوق اولاد کی محبت بھی دل سے نکل چکی تھی۔ مولیٰ تعالیٰ کی طرف لگن لگی ہوئی تھی۔ نظر میں وہی وہ سما یا ہوا تھا۔ اور دل بزبانِ حال گویا تھا:

بے حجابانہ در آ از در کاشانہ ما

کہ کسے نیست بجز درد تو در خانہ ما

مخلوق سے بے تعلق ہو کر واصل باللہ اور باقی باللہ ہو چکے تھے۔ ہاں عالم فانی سے سفر کا انتظار تھا۔ بالآخر وصال کی گھڑی آ پہنچی اور ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ / ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء کی شام جبکہ افق مغرب

میں ”آفتابِ جہاں“ غروب ہو رہا تھا، علم و عرفان کا یہ ”خورشیدِ جہاں تاب“ ڈوب رہا تھا۔
دل ڈوب رہے تھے۔ آنکھیں ابل رہی تھیں، تاریکیاں پھیل رہی تھیں۔ یہ آفتابِ علم و عرفان
عالمِ ناسوت میں غروب ہو کر عالمِ لاہوت میں طلعت ریز ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رٰجِعُوْنَ!

بہر بہار گل از زیر گل برآرد سر
گلے برفت کہ ناید بصد بہار دگر

اور حضرت کی یہ دعا پوری ہوئی:

درد فرقت میں ترے اس زندگی کی شام ہو

موت جب آئے تو صبح وصال کا پیغام ہو (مظہر)

۱۵ شعبان المعظم کی صبح جب جنازہ اٹھایا گیا تو جلوس جنازہ میں ایک لاکھ انسانوں کا
ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ مسجد فتحپوری سے جلوس مسجد شاہ جہانی لایا گیا۔ جہاں حضرت ابوالحسن زید
فاروقی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر یہاں سے جلوس جنازہ روانہ ہوا، اور دوسرے راستے
سے لال قلعہ دہلی کے پیچھے سے ہوتا ہوا چاندنی چوک سے مسجد فتحپوری آیا۔

اللہ اللہ! سفرِ آخرت میں بھی یہ نظارہ دکھا دیا کہ شاہوں اور نوابوں کو خاطر میں نہ
لانے والا اپنے مولیٰ کا وفا شعار بندہ اپنے مولیٰ کے گھر سے چل کر شاہانِ وقت کے قلعوں کو پیچھے
چھوڑتا ہوا پھر اپنے مولیٰ ہی کے گھر آیا۔ جہاں ۱۵ شعبان المعظم کو آغوشِ رحمت میں لٹا دیا گیا۔

۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء کو آل انڈیا ریڈیو، دہلی سے جب رات کو خبر وصالِ نشر کی گئی تو پاک و ہند
کے جاٹاروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ پاکستان و ہندوستان کے مختلف شہروں میں فاتحہ خوانی کا
اہتمام کیا گیا۔ پاک و ہند کے بعض اخبارات نے یہ روح فرسا خبر جلی حروف میں شائع کی
اور شایانِ شان خراجِ عقیدت پیش کیا۔ بعض اخبارات و رسائل نے ادارے لکھے، محامد و محاسن
بیان کئے، منقبت اور تاریخی قطعے شائع کیے۔

یہاں صرف ایک ادارہ کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جس میں فیاضل ادارہ نگار نے
مسلمانانِ پاک و ہند کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے:

”اس دورِ پُرفتن میں نہ صرف دہلی کے بے یار و مددگار راسخ العقیدہ مسلمانوں کی تسکینِ قلب بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے ان کی ذاتِ گرامی بڑی غنیمت و رحمت تھی۔ ان کا وصال حقیقتاً موتِ العالم موتِ العالم، کے مصداق ہے۔ ان کی وفات سے شمعِ بزمِ اتقیاء خاموش ہو گئی۔ مسند فقہ اسلامی خالی اور دہلی سونی ہو گئی۔ ان کی ذاتِ گرامی علمائے حق و سلفِ صالحین کا نمونہ کامل تھی۔ اتباعِ شریعت میں ان کا ثانی نہ تھا۔ تقویٰ و بزرگی میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے۔ وہ بحرِ العلوم ظاہری و باطنی تھے۔ صاحبِ کشف و کرامات تھے۔ دہلی اور کراچی میں ان کے وصال پر لاکھوں مریدین کا سو گوار ہونا لازم ہے اور اہل سنت کی مرثیہ خوانی برحق ہے۔“

مختلف حضرات نے تاریخِ وفات کے سلسلے میں قطعاً لکھے۔ جناب آصف جاہ قمر دہلوی نے اپنے قطعہ کے ان شعروں میں حضرت کے تاریخ و سنہ وصال اور وقتِ رحلت کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے:

بسزده صد و ہشتاد و شش سنہ ہجری
 دو شنبہ از پس عصر دو ہفت شعباں ہیں
 کہ آفتابِ درخشاں علم و فضل نہفت
 جہاں سیاہ شد، اے دل بہ کنج ہجراں ہیں

نوٹ:- حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے مزار فیضِ باری فیضِ رسانیوں کا یہ عالم ہے کہ مراقب ہوتے ہی دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور ایک نیا عالم نظر آتا ہے۔ ایک نو مسلم زائر کے مشاہدات ملاحظہ ہوں، جو مزار مبارک پر حاضر ہو کر مراقب ہوئے اور پھر جو کچھ دیکھا وہ خود ان کی زبانی سنئے:

”آنکھیں بند کرنے پر ایک پُر فضا باغ نمودار ہوا۔ جس کے چاروں طرف خوبصورت سبز درخت لگے تھے اور ان درختوں کے اندر عتیق کے پھول لگے ہوئے تھے آگے بہت خوبصورت عربی الفاظ میں حریر کے کپڑے پر کچھ لکھا تھا جو پڑھا نہیں جاسکا۔ آگے ایک پُر فضا چمن تھا جس کے سامنے ایک سفید عمارت تھی اور نظارہ بڑا ہی دلکش تھا، رنگِ شفقِ شام و سفیدیِ سحری کی طرح بڑے ہی خوبصورت تھے۔ دل چاہتا تھا کہ روح اس عالم فانی میں واپس نہ آئے بلکہ یہیں رہے۔“

(مکتوب پرو فیسر سردار جوگندر سنگھ، محررہ ۷ اگست ۱۹۶۸ء از پٹیالہ)

۱۔ روزنامہ ”نئی روشنی“، کراچی، شمارہ ۴ دسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۲، ک ۴/۳

”پیام مشرق“ دہلی کے شمارہ ۱۴ دسمبر ۱۹۶۶ء میں سنہ ہجری اور سنہ عیسوی میں جناب قمر

سنبھلی کے یہ دو قطعے ملتے ہیں:

یوں جو ہر شخص غم بدوش ہے آج

اٹھ گیا کون بزم دنیا سے

اے قمر شمع وہ خموش ہے آج

دم سے روشن تھی جس کے راہ سلوک

۱۳۸۶ھ

آہ! دنیا سے ہو گیا روپوش

مظہر علم و فقیہہ عصر

ہائے شمع تصوف اب ہے خموش

لکھے قمر عیسوی میں سال وصال

۱۹۶۶ء

اخبار ”انجام“ کراچی کے شمارہ یکم دسمبر ۱۹۶۶ء میں حافظ غازی آبادی کا یہ قطعہ

ملتا ہے:

مفتی ہند، نقشبند زماں

مظہر اللہ ہو گئے رخصت

عصر حاضر میں اب جواب کہاں

یادگار زمانہ تھے یہ لوگ

اسی طرح پندرہ روزہ ”غریب نواز“ دہلی کے ۱۵ دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں قیصر

نظامی کا یہ شعر ملتا ہے:

آہ! قیصر بچھ گیا کیا چراغ انجمن

گلشن علم و عمل کا پاسباں جاتا رہا

حضرت کے سانحہ ارتحال پر اظہر دہلوی، لاہور نے ایک طویل مرثیہ بھی لکھا ہے۔

بعض حضرات کے قطعے میں یہ مادہ تاریخ ملتے ہیں:

ابوالکمال احمد ضیاء الدین ستمشی طہرانی:

① ہاتف گفتم غریق رحمت بادا

۱۹۶۶ء

قمر سنبھلی:

② ہاتف شمع تصوف اب ہے خموش

۱۹۶۶ء

۳ اے قمر شمع وہ خموش ہے آج: قمر سنبھلی

۱۳۸۶ھ

۴ زندہ دل خلوت میں پنہاں ہو گیا: زیباناروی

۱۳۸۶ھ

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہوتا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہوتا



مظہر اللہ شاہ رخصت ہو گئے
چودھویں شعبان کو یہ ماہتاب
سوز غم سے دل میں لو اٹھنے لگی
صرف دلی تک نہیں محدود غم
چھا گئی گلزار ہستی پر خزاں
آہ! یہ پیر طریقت کی وفات
حشر کی تمہید ہے مومن کی موت
نقشبندی گل کدے کا یہ گلاب
گل چراغ بزم عرفاں ہو گیا
شام کے دامن میں پنہاں ہو گیا
داغ دل، شمع فروزاں ہو گیا
جا بجا، ماتم کا ساماں ہو گیا
چاک ہر گل کا گریباں ہو گیا
ذره ذرہ آج گریاں ہو گیا
لمحہ لمحہ حشر ساماں ہو گیا
زینت گلزار رضواں ہو گیا

حضرت کا مزار مبارک مسجد جامع فتحپوری، دہلی کے صحن میں شمال مغربی سمت ایک درگاہ
میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ اس درگاہ میں شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے معاصرین میں ایک
بزرگ حضرت سید میراں شاہ نانو علیہ الرحمہ کا مزار مبارک ہے۔ اور صلحاء و شہدا کے مزارات ہیں۔
انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد پہلی مرتبہ اس درگاہ میں حضرت علیہ الرحمہ کی یہ خواب گاہ بنائی گئی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پاک و ہند کے مختلف شہروں میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے یوم وصال پر عرس اور

فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کراچی میں جامع مسجد آرام باغ میں ۱۴/۱۵ شعبان کو عرس ہوتا ہے۔ اسی طرح حیدرآباد، بہاولپور، لاہور، راولپنڈی اور دہلی وغیرہ میں عرس اور فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اولاد امجاد

اولاد امجاد کے معاملے میں حضرت علیہ الرحمہ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہوا۔ مولیٰ تعالیٰ نے حضرت علیہ الرحمہ کو خوب نوازا۔ حضرت کی اولاد، اولاد کی اولاد، اور پھر ان کی اولاد کو دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے:

مثله کمثل شجرة طيبة اصلها ثابت وفرعها في السماء

حضرت کی آل اولاد پاک و ہند کے مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی ہے۔ مثلاً دہلی،

علیگڑھ، اندور، کراچی، حیدرآباد، احمد پور شرقیہ، بہاولپور، شکار پور، کوئٹہ اور راولپنڈی وغیرہ۔

حضرت علیہ الرحمہ نے تین شادیاں کیں:

۱۳۲۱ھ کے قریب پہلی شادی کی۔ چند سال بعد پہلی اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔

۲ تقریباً ۱۳۲۷ھ میں دوسری شادی کی۔ دو تین سال بعد دوسری اہلیہ بھی رحلت فرما گئیں۔

۳ تقریباً ۱۳۳۰ھ میں تیسری شادی کی۔ تیسری اہلیہ کا انتقال ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء میں دہلی میں ہوا۔

اخبار ”دبدبہ سکندری“ کے مطالعہ سے ہم کو اس مؤخر الذکر عظیم سانحہ کی اطلاع ملتی

ہے۔ ذیل میں اخبار مذکور کا تعزیتی نوٹ پیش کیا جاتا ہے:

نوٹ:- حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے سانحہ ارتحال کے سلسلے میں تمام ادارے، تعزیتی پیغامات، قطعات تاریخ وغیرہ ”تذکرہ مظہر مسعود“ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء، ص ۳۱۵ تا ۳۴۸ ملاحظہ فرمائیں۔ مسعود

۱- یہ جامع مسجد حضرت مفتی اعظم کے مرید باخلاص حاجی منظور احمد صاحب (مالک میٹرو فرینٹنگ کمپنی، کراچی) کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ اس مسجد میں حضرت علیہ الرحمہ کے نام نامی پر ”دارالعلوم مظہریہ“ کے نام سے ایک علمی ادارہ بھی قائم ہے۔ مسعود

۲- اب یہ عرس ۱۴/۱۵ شعبان کی درمیانی شب ہی کو حضرت مفتی اعظم کے نامور فرزند پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی رہائش گاہ کے قریب ہوتا ہے (مرتب)

حضرت الحاج مفتی مظہر اللہ صاحب قبلہ مدظلہ کو صدمہ عظیم

”دبدبہ سکندری“ کے دہلوی نامہ نگار کے قلم سے:

محترم جناب ایڈیٹر صاحب ”دبدبہ سکندری“ مدظلہ

سلام مسنون!

میں حضرت کو اس حادثہ عظیم کی اطلاع دے رہا ہوں جس کو پڑھ کر آپ اور آپ کے ساتھ پورے اسلامی ہند کورنج و الم ہوگا کہ فخر ملت، حجتہ الاسلام، امام اہل سنت حضرت الحاج مولانا مولوی مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب قبلہ حنفی نقشبندی مفتی اعظم و شاہی امام مسجد فتحپوری، دہلی کی اہلیہ محترمہ جو ایک عارفہ کاملہ اور سراپا ایثار خاتون تھیں، جو ۲۰ جون ۱۹۴۷ء مطابق ۲۹ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ یوم جمعہ کو انتقال فرما گئیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

علیٰ حضرت محترمہ کے سے اوصاف کی خواتین سے زمانہ خالی ہو چکا ہے۔ آپ نے زندگی کی آخری ساعتوں تک طبقہ نسواں میں اسلام مقدس اور قرآن عظیم کی اشاعت کا فرض انجام دیا۔ ہم اس حادثے میں حجتہ الاسلام مدظلہ سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور علیٰ حضرت مرحومہ کے لیے دعا کرتے ہیں اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کے آرزو مند ہیں۔“

اس حادثے پر مدیر محترم مولانا شاہ محمد فضل حسن صابری نے تعزیت نامہ ارسال کیا تو مفتی اعظم نے اس کا یہ جواب مرحمت فرمایا جو ”دبدبہ سکندری“ میں شامل ہے، اور اس کے ساتھ مدیر موصوف کا یہ نوٹ بھی شامل ہے، جس سے مفتی اعظم کی عظمت و شوکت اور صبر و استقلال کا حال معلوم ہوتا ہے:

”فقیر صابری مدیر ”دبدبہ سکندری“ نے حضرت امام اہل سنت، حجتہ الاسلام مولانا شاہ محمد مظہر اللہ صاحب خطیب و امام مسجد فتحپوری و مفتی اعظم دہلی کی خدمت میں حضرت کی اہلیہ محترمہ کے حادثہ رحلت پر عریضہ تعزیت پیش کیا تھا۔ اس کے جواب میں

حضرت والا کا حسب ذیل اعزاز نامہ تشریف لایا:

۱۔ دبدبہ سکندری، ۲ جولائی ۱۹۴۷ء، ص ۵

مکتوب گرامی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ہمدردی کا شکر یہ! اس سے دس روز قبل احقر زادہ مولوی محمد احمد سلمہم اللہ تعالیٰ کی اہلیہ مرحومہ بھی انتقال کر گئیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

یہ دونوں خواتین صنف نسواں میں اپنے اوصاف حمیدہ کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ رکھتی تھیں۔ ان حوادث سے جو قلب ضعیف پر اثر ہے، وہ اظہر ہے۔ لیکن اس مولیٰ جل علا سے امید ہے کہ اسے اس پردہ میں کسی کرم خاص کا اعطا مد نظر ہے۔ دعا فرمادیں کہ اس کا جلد ظہور ہو۔ میرا کریم میرے مصالح کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ حادثہ اخیرہ سے کچھ قبل مجھ پر فالج کا اثر ہو گیا تھا، اور اس کے بعد درد گردہ ہو گیا۔ اب بفضلہ تعالیٰ افاقہ ہے لیکن دعا سے فراموش نہ فرماویں۔

فقط والسلام — دستخط

اولاد امجاد

ان تینوں ازواج سے سات صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

لیکن وہ جس کو نوازتے ہیں، اس کو خوب آزماتے ہیں۔ حضرت کے سامنے دو جوان اور فاضل صاحبزادے اور ایک جوان صاحبزادہ خدا کو پیارے ہوئے۔ اور دو صاحبزادیوں کا اوائل عمر میں انتقال ہوا۔ الغرض عطاء ربانی کے ساتھ آزمائش بھی ہوتی رہی۔ اور ان آزمائشوں پر حضرت نے کمال صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمایا۔

آپ کی اولاد میں چھ صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے بقید حیات ہیں۔ اور سب صاحب اولاد ہیں۔ صاحبزادگان کی تفصیل یہ ہے:

① حضرت مولانا حافظ قاری مفتی محمد مظفر احمد صاحب سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ حکمت اور فن فتویٰ نویسی میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء سے قبل مسجد جامع فتحپوری، دہلی میں تقریباً ۲۵ سال نیابت و فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیئے۔ آج کل کراچی میں مقیم ہیں۔

۱۔ دبدبہ سکندری، ۲۹ جولائی ۱۹۴۷ء، ص ۶

۲۔ وصال ۱۹۷۰ء، کراچی

②۔ دوسرے صاحبزادے مولانا الحاج حافظ قاری مفتی محمد مشرف احمد صاحب ہیں، آپ بھی حکمت اور فن فتویٰ نویسی میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔ مسجد فتحپوری میں نائب مفتی کی حیثیت سے ایک عرصہ خدمات انجام دیں۔ حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد بھی فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

③۔ تیسرے صاحبزادے مولانا الحاج حافظ قاری محمد احمد صاحب بھی عالم اور ڈاکٹر ہیں، فنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ نے بھی مسجد فتحپوری میں ۳۰ سال نیابت کے فرائض انجام دیئے۔ آخر میں جب حضرت علیہ الرحمہ بہت ہی ضعیف و نحیف ہو گئے تو امامت کے فرائض کلیتاً آپ نے انجام دیئے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے وصال سے چند یوم قبل دہلی وقف بورڈ نے آپ کو امامت کے فرائض تفویض کر دیئے، جس کی توثیق عدالت عالیہ نے بھی کر دی۔

④۔ چوتھے صاحبزادے مولانا منور احمد علیہ الرحمہ (م۔ ۱۹۴۴ء، دہلی)

⑤۔ پانچویں صاحبزادے مولانا منظور احمد علیہ الرحمہ (م۔ ۱۹۴۹ء) حیدرآباد، سندھ،

۱۔ وصال ۱۹۸۱ء، دہلی۔ آپ کے صاحبزادگان میں حافظ قاری مولانا محمد آصف جاہ اور مولانا محمد ظفر الدین سلمہا اللہ تعالیٰ عالم و حافظ ہیں، اور تہذیب شریعت بھی۔ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور کے شمارہ فروری ۱۹۷۶ء، ص ۹۲ تا ۹۶ میں سید شاہد زعیم فاطمی نے ”بڑے لوگ بڑی باتیں“ کے زیر عنوان ایک مضمون میں دونوں صاحبزادگان حضرت مولانا الحاج قاری محمد احمد اور حضرت مولانا مفتی محمد مشرف احمد علیہما الرحمہ کا ذکر کیا ہے۔ مؤخر الذکر صاحبزادہ کا ذکر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اپنی تالیف ”تاریخ اسلاف“ میں بھی کیا ہے۔ مسعود

۲۔ وصال ۱۹۷۰ء، دہلی، آپ کے صاحبزادگان مولانا مفتی محمد مکرم احمد، مولانا محمد معظم احمد، مولانا محمد مبشر احمد سلمہم اللہ تعالیٰ عالم و فاضل اور تہذیب شریعت ہیں۔

مولانا محمد مکرم احمد سلمہ اللہ تعالیٰ دہلی وقف بورڈ کی طرف سے مسجد جامع فتحپوری کے امام و خطیب ہیں اور فتویٰ نویسی کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔ مفتی محمد مکرم احمد سلمہ، کو تو چاروں سلاسل طریقت میں خلافت و اجازت بھی حاصل ہے۔ موصوف علوم جدیدہ و قدیمہ کے فاضل ہیں۔ دہلی یونیورسٹی سے بی۔ اے آنرز (عربی) اور ایم۔ اے (عربی) کیا۔ اول آئے اور تمنغے حاصل کئے، عربی ادب میں ڈاکٹریٹ بھی کیا ہے، اسی طرح اس سے بہت پہلے مدرسہ عالیہ عربیہ میں درس نظامی سے فارغ ہوئے اور سارے مدرسہ میں اول رہے۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ حافظ وقاری ہیں۔ صاحبزادہ موصوف اپنی مخصوص صلاحیتوں اور لیاقتوں کی وجہ سے حضرت مفتی اعظم کے خاندان میں یکتا و یگانہ ہیں۔ مسعود

دونوں بڑے نیک و متقی اور جید عالم تھے۔

⑥ چھٹا صاحبزادہ یہ راقم الحروف محمد مسعود احمد ہے۔ آجکل گورنمنٹ ڈگری کالج،

کوئٹہ (مغربی پاکستان) میں بحیثیت پروفیسر و صدر شعبہ اردو کام کر رہا ہے۔

⑦ ساتویں صاحبزادے ڈاکٹر محمد سعید احمد صاحب جو آج کل دہلی میں پریکٹس کر

رہے ہیں۔

خلفاء و سفراء

حضرت علیہ الرحمہ کے بہت سے خلفاء و سفراء پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن

کے اسماء گرامی معلوم ہو سکے، ان کی تفصیل یہ ہے:

خلفاء ہندوستان

① حضرت مولانا مولوی حکیم عبدالجید علیہ الرحمہ۔ ۳ (م۔ ۱۹۴۴ء)۔ جمیر شریف

② حضرت مولانا مولوی عبدالکریم چتوڑی علیہ الرحمہ

③ حضرت مولانا الحاج حافظ قاری مفتی محمد شرف صاحب مدظلہ العالی

④ حضرت مولانا الحاج حافظ قاری محمد احمد صاحب علیہ الرحمہ۔ ۴

۱۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب شعبہ تعلیم و تدریس سے ۱۹۹۴ء میں ریٹائر ہوئے، اور آج کل کراچی میں رونق افروز ہیں۔ طاہر

۲۔ وصال ۱۹۹۶ء، دہلی

۳۔ حضرت مولانا عبدالجید علیہ الرحمہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے عم محترم تھے۔ اپنے والد ماجد مفتی محمد مسعود شاہ علیہ

الرحمہ سے بیعت تھے۔ لیکن خلافت و اجازت حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے ملی تھی۔ مسعود

اور آپ ہی حضرت علیہ الرحمہ کے کفیل تھے جن کے زیر سایہ حضرت علیہ الرحمہ نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل فرمائی۔ طاہر

۴۔ شب یکم رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء کو دہلی میں وصال فرمایا۔

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا

یادگار رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

خبر وصال آل انڈیا ریڈیو سے بار بار نشر کی گئی۔ ہزاروں مسلمان جلوس جنازہ میں شریک تھے۔ علماء و مشائخ اور عوام سب

ہی شریک تھے۔ شیر کشمیر شیخ عبداللہ بھی شریک جنازہ تھے۔ مزار مبارک صحن مسجد جامع فتحپوری ہی میں حضرت علیہ الرحمہ

کے پہلو میں ہے۔ (رحمہما اللہ تعالیٰ) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

- ۵ حضرت مولانا مولوی مقبول الرحمن علیہ الرحمہ، سیوہارہ
 ۶ حضرت مولانا مولوی محمد عثمان ٹونکی مدظلہ العالی
 ۷ حضرت مولانا ابوالکمال ضیاء الدین احمد کاظمی ستمشی طہرانی، علی گڑھ، اے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مولانا نے مرحوم کی خبر وصال سن کر حضرت مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ العالی (سجادہ نشین ساہن پال شریف، ضلع گجرات) نے بغیر کسی سابقہ تعارف کے محض القائے ربانی کے تحت یہ قطعہ تاریخ وفات راقم الحروف کو ازراہ عقیدت ارسال فرمایا:

عارف	دیں	محمد احمد	حامی شرع و افتخار زماں
حافظ پاک	و حاجی حرمین		بود در قاریان بلند مکاں
جامع علم و فضل	تقویٰ بود		مخزن راز وحدت و عرفاں
آں امام و خطیب	فتپوری		سکہ زن شد بملک داربناں

از شرافت چو رحلتش پُرسی

داخلِ خلد، دین پناہ، بداں (محررہ ۲۵، رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ)

وصال کے بعد بعض احباب نے جو خواب دیکھے، ان سے مولانا نے مرحوم کی روحانی عظمت کا احساس ہوتا ہے، چنانچہ برادر نسبتی جناب فرید الدین صاحب نے دیکھا:

”مولانا نے مرحوم سفید براق پر ریشمی کپڑے پہنے بیٹھے ہیں اور سرخ عطر مل رکھا ہے۔ فضا میں مہک رہی ہیں۔ ایک طرف اسٹیج سجا ہوا ہے۔ جس کے ارد گرد سرخ و سبز سیوں سے حد بندی کی ہوئی ہے۔ اسٹیج پر حضرات اہل اللہ تشریف فرما ہیں۔ مولانا نے مرحوم اس پنڈال میں داخل ہوئے اور سیدھے اسٹیج پر تشریف لے گئے۔ جہاں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے آپ کا استقبال فرمایا اور حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ سے تعارف کرایا اور فرمایا:

”یہ وہ ہیں جنہوں نے حضرت امام حسن کی سنت پر عمل کیا ہے“ — پھر حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ سے تعارف کرایا۔ اتنے میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اعلان فرمایا:

”سب حضرات مؤدب کھڑے ہو جائیں، ہمارے آقا و مولیٰ حضور مقبول ﷺ رونق افروز ہونے والے ہیں۔“ سب اولیاء اللہ سر و قد کھڑے ہو گئے۔“

(مکتوب محررہ ۱۴ فروری ۱۹۷۱ء از دہلی)

سبحان اللہ!

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں ترے دن اے بہار پھرتے ہیں

ا۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے حال ہی میں ستمشی طہرانی صاحب کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا ہے — طاہر

خلفاء پاکستان:

- ① حضرت مولانا حافظ قاری محمد مظفر احمد علیہ الرحمہ (م۔ ۱۹۷۱ء، کراچی)
- ② حضرت مولانا حافظ قاری الحاج سید حفیظ الرحمن صاحب دامت برکاتہم العالی۔ بہاولپور
- ③ حضرت مولانا الحاج قاری محمد ادریس صاحب مدظلہ العالی، کراچی
- ④ صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر صاحب، حیدرآباد سندھ

سفراء ہندوستان

- ① جناب حکیم محمد عاقل صاحب مظہری، دھام پور، بجنور۔ ۳
- ② مولانا غلام احمد مظہری، ٹونک

سفراء پاکستان

- ① الحاج حکیم محمد ذاکر صاحب علیہ الرحمہ، کراچی
- ② الحاج صوفی محمد بشیر الدین علیہ الرحمہ، کراچی۔ ۴

۱۔ حضرت مفتی محمد مظفر احمد علیہ الرحمہ جلیل القدر عالم و فقیہ تھے۔ آپ کے تفصیلی حالات کے لیے مندرجہ ذیل کتب و رسائل مطالعہ فرمائیں:

محمد مسعود احمد: تذکرہ مظہر مسعود، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء، ص ۳۶۸

عبدالحکیم شرف قادری، علامہ: تذکرہ اکابر اہل سنت، مطبوعہ لاہور

ماہنامہ ترجمان اہل سنت، کراچی، شمارہ فروری ۱۹۷۳ء۔ مقالہ راقم الحروف

۱۷ ارشوال المکرم ۱۳۹۱ھ/ ۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو کراچی میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے صاحبزادگان

حافظ محمد مظفر احمد صاحب، حافظ محمد اظہر احمد، حکیم محمد نذرا احمد سلمہم اللہ تعالیٰ نیک و صالح اور تبع شریعت ہیں۔ ہر سال کراچی میں آپ کا عرس کرتے ہیں۔ مسعود

۲۔ آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولانا رکن الدین شاہ الوری علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد حضرت قاری عبدالرحمن پانی پتی علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور سجادہ نشین ہیں۔ پنجاب و سندھ میں آپ کے بکثرت مریدین پھیلے ہوئے ہیں۔ مسعود

۳۔ جناب حکیم صاحب کو قبلہ ڈاکٹر صاحب سے بھی اجازت و خلافت حاصل ہے۔ طاہر

۴۔ صوفی صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے جناب قاری محمد علیم الدین صاحب ۱۸ تا ۲۰ ارشوال المکرم کو کراچی میں آپ کا عرس کرتے ہیں۔ مسعود

- ③ صوفی محمد ابراہیم علیہ الرحمہ، کراچی
- ④ الحاج صوفی محمد یوسف صاحب، کراچی
- ⑤ الحاج حافظ محمد صالحین علیہ الرحمہ، کراچی
- ⑥ صوفی فضل احمد صاحب، کراچی
- ⑦ سید صفدر حسن صاحب صدیقی، لاہور
- ⑧ مولانا محمد احمد قریشی، لاہور
- ⑨ صوفی نواب علی، حیدرآباد سندھ
- ⑩ مولانا سید محمد الیاس زیدی علیہ الرحمہ، کاہنہ نو، لاہور۔

تصنیفات و تالیفات

حضرت علیہ الرحمہ کی تحریری خدمات، تقریری خدمات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ نام و نمود سے بے نیاز رہ کر نہایت خاموشی کے ساتھ حضرت علیہ الرحمہ نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ لائق تحسین ہیں۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے یوم وصال تک مسلسل ستر سال لکھا ہے۔ آپ کے ہزاروں فتوے، مکاتیب، شریفہ اور مواعظ پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سب سے اہم تصنیف آپ فتوے ہیں، جو اگر شروع سے جمع کیے جاتے تو اب تک بیسیوں مجلدات شائع ہو جاتیں۔ لیکن افسوس کہ یہ عظیم ذخیرہ تمام محفوظ نہ رکھا جاسکا۔ صرف آخری دس پندرہ سالوں کے اہم فتوے تحقیق و تلاش سے جمع کیے جاسکے۔ جو ایک جلد میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح حضرت کے مکاتیب شریف بھی ایک عظیم سرمایہ تھے مگر صد افسوس کہ یہ سرمایہ بھی پوری طرح محفوظ نہ رہ سکا۔ کافی تلاش و جستجو کے بعد لاکھوں مکاتیب شریفہ میں سے صرف چند سو دریافت ہو سکے۔ جو ”مکاتیب مظہری“ جلد اول میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے کتب و رسائل کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ آپ کا وصال ۸ جمادی الآخر ۱۴۲۰ھ / ۱۹ ستمبر ۱۹۹۹ء بروز اتوار وقت فجر ہو گیا ہے۔ طاہر
آپ سب کے حالات کیلئے ”خلفاء مظہری“ مرتبہ محمد عبدالستار طاہر، مطبوعہ ادارہ منبر اسلام، لاہور ۲۰۰۲ء ملاحظہ فرمائیں۔

- ۱۔ مظہر الاخلاق، مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی ۱۹۱۲ء/ ۱۳۳۱ھ۔
- ۲۔ ارکان دین، مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی ۱۹۱۲ء/ ۱۳۳۱ھ۔
- ۳۔ مظہر العقائد، مطبوعہ ہلالی پریس، ۱۹۱۲ء/ ۱۳۳۱ھ۔
- ۴۔ ترجمہ قرآن کریم، مطبوعہ اقبال پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۳۱ء/ ۱۳۶۱ھ۔
- ۵۔ حواشی و تفسیر قرآن کریم، مطبوعہ اقبال پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۳۱ء/ ۱۳۶۱ھ۔

۱۔ ان دونوں رسالوں کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۸ء میں مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے شائع کر دیا ہے۔

۲۔ ایضاً

۳۔ یہ رسالہ راقم الحروف از سر نو مرتب کر رہا ہے۔ مسعود

۴۔ ۱۹۶۸ء/ ۱۳۸۸ھ میں محترم سید مظہر الدین صاحب (لاہور) نے مطلع فرمایا کہ ان کے والد مرحوم سید محمد شفیع الدین صاحب نے ایک مترجم و محشی قرآن پاک طبع کرایا تھا۔ جس میں ترجمہ اور تفسیر و حواشی حضرت علیہ الرحمہ نے تحریر فرمائے تھے۔ لیکن ساتھ ہی ہدایت فرمادی تھی کہ یہ خدمت محض رضائے الہی کے لیے انجام دی ہے، اس لیے اس کی تشہیر نہ کی جائے۔ چنانچہ اس قرآن کریم میں نہ مترجم کا نام ہے اور نہ مفسر و محشی کا۔ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ علمی کارنامہ اب تک مخفی تھا، راقم جناب مظہر الدین صاحب کا ممنون ہے کہ انہوں نے اس راز کو افشا فرما کر کرم فرمایا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

یہ قرآن کریم (مع ترجمہ و تفسیر و حواشی) سید محمد شفیع الدین مرحوم تاجر کتب و مالک اقبال پرنٹنگ ورکس، دہلی نے اپنے ہی پریس میں نہایت اہتمام سے ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ میں چھپوایا تھا۔ اس کا سائز "۹" x "۷" ہے، اور کل صفحات تقریباً ۸۰۰ ہیں۔ ابتداء میں قرآن کریم کی سورتوں کی فہرست، فہرست مضامین قرآن، مختصر اوراد قرآن، تراکیب استخارہ، مختصر ضروری مسائل، تعویذات سور، سیرت نبوی، معجزات، فرامین وغیرہ کا بیان ہے۔ اس کے بعد متن قرآن کریم (مع ترجمہ و حواشی) شروع ہوتا ہے۔

اس میں پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدین علیہ الرحمہ کا ہے۔ دوسرا ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کے فارسی ترجمہ سے حضرت علیہ الرحمہ نے اردو میں منتقل فرمایا ہے۔ اور اسی کے ساتھ حواشی میں تفسیر تحریر فرمائی ہے۔ اس تفسیر میں ان تفاسیر سے مدد لی گئی ہے:

۲ تفسیر ابن عباس	۲ تفسیر ابن جریر	۲ تفسیر ابن حاتم	۲ تفسیر کبیر
۲ تفسیر مدارک	۲ تفسیر ابن کثیر	۲ تفسیر معالم التنزیل	۲ تفسیر حسینی
۲ تفسیر موضح قرآن	۲ تفسیر عزیزی	۲ احسن التفاسیر	۲ تفسیر حقانی

وغیرہ وغیرہ۔ تفسیر کے ساتھ ساتھ آیات کا شان نزول بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، مکی و مدنی آیات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ متن قرآن کے ساتھ ساتھ جو حواشی چل رہے ہیں، ان کے علاوہ آخر میں تقریباً ۱۰۶ کئی کالمی صفحات پر بقیہ حواشی بیان کیے گئے ہیں۔ یہ حواشی اتنی باریک قلم سے لکھے گئے ہیں کہ بمشکل تمام پڑھے جاتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

- ۶ خزینۃ الخیرات، مطبوعہ اعلیٰ پریس، دہلی ۱۹۴۷ء/ ۱۳۶۷ھ۔
- ۷ مکاتیب مظہری، جلد اول، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس، کراچی ۱۹۶۹ء
- ۸ مکاتیب مظہری، جلد دوم، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس، کراچی ۱۹۶۹ء/ ۱۳۸۹ھ۔
- ۹ مواعظ مظہری، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس، کراچی ۱۹۷۰ء/ ۱۳۹۰ھ
- ۱۰ فتاویٰ مظہری، جلد اول و دوم، مطبوعہ آفسٹ پریس، کراچی ۱۹۷۰ء/ ۱۳۹۰ھ۔
- ۱۱ جلد اول عرض البلد و طول البلد۔
- ۱۲ رسالہ در علم توقیت۔ ۵ (قلمی) تالیف ۱۹۳۱ء/ ۱۳۵۰ھ

(سابقہ بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اگر ان تمام حواشی کو متوسط قلم سے علیحدہ بڑے سائز میں لکھا جائے تو ایک ہزار صفحات سے کم نہ ہوں گے۔ چنانچہ ان کو ”تفاسیر مظہری“ کے نام سے ایک مستقل تصنیف کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی تو یہ تفسیر بھی مرتب کر کے پیش کی جائے گی۔ مسعود

نوٹ: شنید ہے کہ یہ ترجمہ و تفسیر ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور شائع کر رہا ہے۔ طاہر

۱۔ اس کا پہلا ایڈیشن اعلیٰ پریس، دہلی سے طبع ہوا تھا۔ دوسرا ایڈیشن مشہور آفسٹ پریس، کراچی میں طبع ہوا، اور مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے شائع کیا۔ اب تیسرے ایڈیشن کی تیاری ہے۔ مسعود

حال ہی میں ادارہ مسعودیہ، کراچی نے مع اضافات کمپوزنگ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ طاہر

۲۔ پہلی اور دوسری جلد کو مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔ جدید ایڈیشن حال ہی میں ۱۹۹۹ء میں ادارہ مسعودیہ، کراچی نے یکجا شائع کیا ہے۔ طاہر

۳۔ ان مجلدات کی اشاعت کے بعد چند مطبوعہ وغیر مطبوعہ فتوے اور تصدیقات نظر سے گزریں:

۲ رسالہ تقبیل، مطبوعہ ملتان ۱۹۱۹ء

۲ الصوارم الہندیہ، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۲۶ء

۲ جامع الاقوال فی رویت الہلال، مطبوعہ پٹنہ ۱۹۳۸ء وغیرہ وغیرہ

۲ سارداہل، مطبوعہ ۱۹۲۹ء (انشاء اللہ تعالیٰ ”فتاویٰ مظہری“ کی تیسری جلد میں ان کو شامل کر دیا جائے گا۔ مسعود)

ادارہ مسعودیہ، کراچی نے حال ہی (۱۹۹۹ء) میں مع اضافات اول، دوم اور سوم تینوں جلدوں کا جدید

ایڈیشن بعنوان ”فتاویٰ مظہریہ“ شائع کیا ہے۔ طاہر

۴۔ یہ نہایت اہم کتاب ہے جس میں پاک و ہند کے مختلف شہروں کے عرض بلد، طول بلد اور دوسری بہت سی تفصیلات جدید قاعدوں سے مرتب کی ہیں۔ جو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے اپنے ایجاد کردہ تھے۔ یہ کتاب ہنوز شائع نہیں ہوئی۔ دہلی میں محفوظ ہے۔

۵۔ یہ کتاب بھی قلمی ہے اور راقم کے پاس محفوظ ہے۔ مسعود

- ۱۳ شجرہ طریقت خاندان عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ، مطبوعہ امپریل پریس، دہلی۔
- ۱۴ کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب، مطبوعہ جید پریس، دہلی ۱۹۲۵ء/۱۳۴۴ھ
- ۱۵ تحقیق الحق، مطبوعہ اعلیٰ پریس، دہلی ۱۹۲۷ء/۱۳۴۶ھ
- ۱۶ القول الفائق علی امامۃ الفاسق، مطبوعہ دہلی، ۱۹۲۷ء/۱۳۴۵ھ
- ۱۷ موجودہ مصائب کا واحد علاج، مطبوعہ دہلی ۱۹۳۹ء/۱۳۵۸ھ
- ۱۸ انتفاء المحال فی رویۃ الہلال، مطبوعہ جید پریس، دہلی ۱۹۵۰ء/۱۳۷۰ھ
- ۱۹ دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۶ء/۱۳۷۶ھ
- ۲۰ قصد السبیل، مطبوعہ اعلیٰ پریس، دہلی ۱۹۵۹ء/۱۳۷۹ھ
- ۲۱ فتویٰ رویت ہلال، مطبوعہ جید پریس، دہلی ۱۹۵۹ء/۱۳۷۰ھ

المختصر حضرت مفتی اعظم قدس سرہ العزیز اپنے عہد کے جلیل القدر عالم اور روحانی پیشوا تھے۔ ان کی عظمت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۱۵ء میں جبکہ وہ بھی ۳۲ سال کے جوان تھے، ہندوستان سے شائع ہونے والی کتابوں میں ان کے اسم گرامی کے ساتھ وہ القاب و آداب استعمال کئے جاتے تھے جو کسی فاضل جلیل کے شایان شان ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ سن مذکور میں ”توضیح العقائد“ (مؤلفہ شاہ محمد رکن الدین قدس سرہ العزیز) شائع ہوئی۔ اس پر آپ نے تقریظ لکھی ہے۔ اس تقریظ کے ساتھ یہ القاب نظر آتے ہیں:

”بدر العلماء، فخر الاقویاء، ناصر المملۃ، مقتدانا الاکرم، آیۃ من آیات اللہ، حضرت مولوی مفتی حافظ محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی دہلوی امام مسجد فتحپوری، نبیرۃ زبدۃ العلماء، قدوة الفضلاء، اکمل الکملاء، وحید العصر، فرید الدھر، غواص بحر معانی، نقشبند ثانی، حضرت مولوی رحیم بخش المقلب بہ محمد مسعود شاہ صاحب نقشبندی مجددی، امامی، دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔“

۱۔ اس کے دہلی، لاہور اور کراچی سے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مسعود

۲۔ محمد رکن الدین شاہ: توضیح العقائد، مطبوعہ دہلی ۱۹۱۵ء، ص ۱۷۴، ۱۷۵

اختتامیہ

حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد آپ کا عرس شریف پاک و ہند کے مختلف مقامات پر ہوتا ہے۔ مثلاً دہلی، دھام پور، لاہور، حیدرآباد، کراچی وغیرہ۔ ان اعراس کے موقع پر جو قصائد و مناقب پیش کیے جاتے ہیں، اور علماء کرام کی جو تقاریر ہوتی ہیں، اگر ان کو قلم بند کر کے محفوظ کیا جائے تو حضرت علیہ الرحمہ کے محامد و محاسن پر ایک مستقل تالیف ہو سکتی ہے۔

دہلی میں حضرت علیہ الرحمہ کا دوسرا سالانہ عرس شریف ۱۴ شعبان ۱۳۸۸ھ/۴ نومبر ۱۹۶۸ء کو ہوا۔ اس موقع پر اخبار ”غریب نواز“ نے مفتی اعظم نمبر شائع کیا اور اپنے خصوصی ادارہ میں حضرت کو خراج عقیدت پیش کیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

ترے نقش قدم تو آج بھی راہِ ہدایت ہیں

حضرت مفتی اعظم کی یاد میں

۶ نومبر کو دہلی میں حضرت قبلہ مفتی اعظم الحاج علامہ مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ کا سالانہ دوسرا عرس مبارک منایا جا رہا ہے۔ حضرت قبلہ کی ذات گرامی پر کسی قسم کا تبصرہ کرنا سورج کے مقابلے میں ایک چراغ روشن کرنے کی سی ناکام کوشش کرنا ہے۔ علم تصوف کے اس حقیقی شہنشاہ نے دولت و ثروت، لالچ و طمع اور شہرت و اقتدار جیسی ظاہری طاقتوں پر لات مار کر معبود حقیقی کی رضا و خوشنودی کے لئے جامہ فقیری میں مخلوق خدا کی رہنمائی فرمائی، بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے بددینی اور بد عقیدگی کی لعنت کے خلاف جو ناقابل فراموش جدوجہد کی، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ خدا کے اس شیر نے اس موقع پر جب کہ مسلمانوں پر یا ان کے دین پاک پر کسی بھی قسم کا ناپاک حملہ ہوا ہو۔۔۔ اوقاف کی آڑ میں یا مسلم پرسنل لاء کے بہانے سے یا کسی بھی چور درہ ازے سے۔۔۔ جب بھی اسلامی قوانین کی خلاف ورزی کرنے کے ناپاک ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے بڑے بڑے ابن الوقت اور کھدر پوش

ملا بھی میدان میں نکلے، تو اس شیر نے نتاج سے بے پرواہ ہو کر ان کو لکارا اور حق بات کہنے سے گریز نہیں کیا بلکہ حق کا ڈنکا پیٹنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

حضرت کی یہی ایک صفت تھی جس کی بنا پر بڑے بڑے فرعون صفت لوگوں کو بھی حضرت کے مقابلے میں ناکامی کا شرمناک منہ دیکھنا پڑا۔ اور یہی وجہ تھی کہ ہندو پاکستان میں جب بھی شریعت اسلام کے تحفظ اور احکام شریعت کی حرمت کو برقرار رکھنے اور اس کی تقدیس کا لوہا منوانے کا نازک مسئلہ کھڑا ہوا تو اس وقت بڑے بڑے علماء کرام و مفتیانِ عظام حضرت علیہ الرحمہ کی ظاہری و باطنی خدمات لینے پر مجبور ہوتے اور حضرت کی رائے گرامی کو ہمیشہ سے یہ امتیازی مقام حاصل رہا کہ مخالف کے بڑے بڑے رہنماؤں کو حضرت کے عظیم الشان فتاویٰ کی تصدیق کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ علم و عمل کے اس پیکر مجسم نے اپنی اسی سالہ مقدس زندگی میں شریعت و طریقت کے مقدس میدانوں میں جو عظیم الشان فتوحات حاصل کیں، وقت آنے پر وہ تاریخ کا سنہری باب بنیں گی۔

کون نہیں جانتا کہ مسجد فتحپوری کے حجرے کو اس بوریہ نشیں فقیر کی بدولت ہندو پاکستان میں اسلام و سنیت کا مرکز تصور کیا جاتا تھا، اور ہر نازک موقع پر یہ حجرہ کروڑوں بندگانِ خدا کی نگاہوں کا مرکز بنا رہتا تھا۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ حضرت کی عملی زندگی نے کروڑوں بندگانِ خدا کے دلوں پر اپنی حکومت کا سکہ جمار کھا تھا۔ اس دن کی یاد آتے ہی آنکھیں خون کے آنسو روئے لگتی ہیں، جس دن موت نے ہم سے شریعت و طریقت کے اس آفتاب کو چھین کر آغوشِ رحمت میں سلا دیا تھا۔

آج جبکہ حضرت قبلہ ظاہری طور پر ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ ان کی مقدس زندگی ہمارے لیے نشانِ راہ ہے۔ آج جبکہ ہم حضرت قبلہ کا دوسرا سالانہ عرس مبارک منا رہے ہیں، ان کی بارگاہ میں سب سے بڑا اندرانہ عقیدت یہی ہو سکتا ہے کہ ہم سب ان کے نقشِ قدم پر چلیں اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کریں۔ آمین!۱

۱۔ پندرہ روزہ ”غریب نواز“ دہلی، مفتی اعظم نمبر، شمارہ یکم نومبر ۱۹۶۸ء، ص ۲، ک ۱۔

خلاصہ کلام

آپ نے حضرت مفتی اعظم کی حیات مبارک کی جھلکیاں دیکھیں جو اب تک منظر عام پر نہ آسکی تھیں:

آپ نے دیکھا، مفتی اعظم کے جد امجد کیسے جلیل القدر عالم و عارف تھے کہ حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان سے مستفیض ہوئے۔

یہ بھی دیکھا کہ وقت کے بلند پایہ صوفیاء و علماء اور سیاست داں کیسی قدر و منزلت کرتے تھے۔ یہ بھی دیکھا کہ وہ کتنے عظیم فقیہ اور عارف کامل تھے۔

یہ بھی دیکھا کہ انہوں نے آلام حیات کو کس ہمت و استقلال کے ساتھ برداشت کیا۔ یہ بھی دیکھا کہ انہوں نے اپنے مخالفین کے ساتھ کیسی وسعت قلبی اور حسن سلوک کا ثبوت دیا۔

یہ بھی دیکھا کہ عقائد و سیاسیات میں ان کا کتنا صاف ستھرا مسلک تھا۔

یہ بھی دیکھا کہ سرزمین دہلی میں انہوں نے یوم میلاد النبی ﷺ کی بنیاد رکھی اور ایک ایسے جلسے کا اہتمام جو موافق و مخالف سب کے لیے گوارا تھا، اور پاک و ہند میں اپنی نظیر آپ تھا۔

یہ بھی دیکھا کہ انہوں نے جلوس میلاد النبی ﷺ کے متعلق کیسا تقویٰ شعارانہ اظہار خیال فرمایا۔

الغرض یہ سب کچھ دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم انسان کا سراپا نظروں کے سامنے پھر گیا۔ ہاں مفتی اعظم:

کتنے عظیم تھے،

کیسے رحیم تھے،

کیسے کریم تھے!

اللہ تعالیٰ ہم کو صلحائے امت کے نقش قدم پر چلائے، انہیں کے نقش قدم کو قرآن حکیم میں صراط مستقیم قرار دیا گیا ہے۔ آمین!

احقر

محمد مسعود احمد عفی عنہ

کراچی

مناقب

مرکز نورِ مصطفیٰ توی	مظہر ذاتِ کبریا توی
لا جرم فخر ایشیا توی	بر تو نازند ہندو پاکستان
کاشفِ راز لالہ توی	عقدہ معرفت کشاکش یافت
برگزیدہ ز اولیاء توی	نقشبندی مجددی چشتی
ظلِ پیغمبر خدا توی	زاں کہ پیغمبر است ظل خدا
مرجعِ جملہ اصفیاء توی	سجدہ ریزند بردرت ہمہ وقت
نیست خطرہ کہ ناخدا توی	اندریں دہر کشتی دیں را
واقفِ رمزِ ماطغے توی	کس ندانست شانِ پیغمبر
راستی، پیر رہنما توی	حافظ و مفتی و فقیہہ و خطیب

جذب و مستی عنایتم فرما

برگِ کاہم و کہربا توی

(سردار جوگندر سنگھ اصغر لدھیانوی مرحوم
سابق اسٹنٹ ڈائریکٹر شعبہ السنہ، پیالہ)

خداوندا بکرم آفریدی
 نمودی چہر مہر آگیں بگا ہے
 جوانی صرف شدور بند عصیاں
 بکردی بیعت مقبول بختم
 مرا برپشت خود اسوار کردہ

ندا آمد کہ با مقبول ، اصغر

مبارک عہد پیری و مریدی

(سردار جوگندر سنگھ اصغر لدھیانوی)

مفتی مظہر اللہ ہیں جو دوستی کے پھول
 قسمت پہ اس کی رشک نہ ہو کس لئے مجھے
 اے سرزمین فتحپوری جاگا ترا نصیب
 جو گل کھلے مدینے میں ، خوشبو ہے ہند میں
 روشن بھی ہیں، مہک بھی ہے، جاری ہے فیض بھی
 دیتے ہیں آج بھی مہک اس رہنما کے پھول
 چومے ہیں جس نے آپ کی بند قبا کے پھول
 ہیں عطر بیز تچھ میں جو بدر الدجی کے پھول
 ہیں مرقد مظہر پہ چڑھے والضحی کے پھول
 دیکھے ہیں تم نے ایسے کہیں پر ضیا کے پھول

مظہر خدا کے ، مظہر شانِ مجددی

شانِ محمدی کے ہیں شانِ عطا کے پھول

(درخشاں عباسی امر وہوی)

اخبار ”غریب نواز“، دہلی، مفتی اعظم نمبر شمارہ نومبر ۱۹۶۸ء)

۱۔ پانچویں شعر میں ایک خواب کی طرف اشارہ ہے جو سردار صاحب نے دیکھا کہ مفتی صاحب اپنی پیٹھ پر ان کو بٹھا کر آسمان کی طرف پرواز کر رہے ہیں۔ سردار صاحب خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ انہوں نے کئی بار حضور ﷺ کی زیارت کی اور آخری بار تجلیاتِ الہی نے خواب میں ہم آغوش کیا۔ ۲۷ جولائی ۱۹۶۹ء کو ان کا وصال ہو گیا۔ راقم الحروف نے مرحوم کے ایمان افروز حالات پر ایک مقالہ لکھا تھا جو ماہنامہ ضیائے حرم لاہور کے شمارہ اپریل ۱۹۷۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مسعود

خسرو ملکِ فضیلت، مفتی ہندوستان
 حضرت مسعود کے تھے جو مقدس یادگار
 نائب شیخ مجدد، وارثِ علمِ نبی
 واقفِ علمِ شریعت، عارفِ رازِ خفی
 خوش خیال و خوش خصال و خوش مقال و خوش جمال
 دشمنانِ مصطفیٰ سے وہ کنار کش رہے
 ترجمانِ اہل سنت کون ہے ان کی طرح
 اس قدر مقبولیت پائی مری سرکار نے
 آپ کے ہاتھوں پہ توبہ کفر سے لاکھوں نے کی
 فتنہ گاندھی یا تحریکِ شدھی سنگٹھن
 پائے استقلالِ حضرت میں نہ لغزش آسکی
 وقتِ آزادی ہوا بھارت میں جب خونی فساد
 تھے مئے طیبہ پلاتے نقشبندی جام سے
 یا الہی وہ غلامِ مظہر اللہ کر مجھے

خضر راہِ علم و عرفاں، رہنمائے عارفاں
 فخرِ ملت، فخرِ دیں، سرمایہ اہل جہاں
 وہ امامِ اہل سنت، شیخِ کل، قطبِ زماں
 تھے علومِ معرفت کے ایک بحرِ بے کراں
 مصطفیٰ کا عشق ہی تھا آپ کی روحِ رواں
 دینِ برحق کے ادھر ہر دم رہے وہ پاسباں
 دورِ حاضر میں یقیناً آپ تھے حق کے نشاں
 دوست اور دشمن ہیں سب تعریف میں رطب اللساں
 ناریوں کو کر دکھایا عازمِ سوئے جناں
 ان پر گرتے ہی رہے وہ صورتِ برقِ تپاں
 سخت سے بھی سخت تر آتے رہے پیشِ امتحاں
 آپ اس دمِ عزم کا ثابت ہوئے کوہِ گراں
 شیخِ سرہندی کے میخانے میں مثلِ خواجگاں
 مرشدِ برحق رہے ہر وقت مجھ پر مہرباں

قافلہ تو سوئے منزل جا رہا ہے دم بدم
 وائے اختر ہے نہاں ہم سے امیر کارواں

۱۹۶۶ء

(علامہ محمد عبدالحکیم خان اختر شاہ جہاں پوری مظہری، لاہور۔)

۱۔ معروف مترجم کتب احادیث، خلیفہ حضرت مسعود ملت — طاہر

قوت دین و قدرت رحماں ، مظہر اللہ مفتی اعظم
آفتاب شریعت حق تھے، ماہتاب طریقت رب تھے
مصطفیٰ کے حسیں گلشن کو اپنے خون جگر سے سینچا ہے
تیرا کردار نور کا مینار، رافع زیب و زینت اسلام
دین کا جب ہوا کوئی دشمن، آپ شمشیر حق ہوئے ثابت
آپ کے در پہ جبہ سائی کو حاضر ہوتے تھے کافر و مشرک
دل کی کالک کو دور کر دیجئے، مئے عشق نبی کو بھر دیجئے
بے نیازی پہ ناز تھا جائز، فخر تھا فقر پہ بجا تجھ کو
مہر و شفقت تھی سب کے بچوں پر اور چرند و پرند پر رحمت
نیک و صالح ہے آپ کی اولاد اور قمع شریعت بھی

روح اسلام، جوہر ایماں، مظہر اللہ مفتی اعظم
حسن کامل کا آپ تھے عنوان، مظہر اللہ مفتی اعظم
اے نسیم بہار باغ جناں، مظہر اللہ مفتی اعظم
دافع داغ و ظلمت عصیاں، مظہر اللہ مفتی اعظم
شیخ احمد کی جرأت ذیشاں، مظہر اللہ مفتی اعظم
اور پاتے تھے دولت ایماں، مظہر اللہ مفتی اعظم
ساغر دل میں ساقی دوراں، مظہر اللہ مفتی اعظم
تیری ٹھوکر میں دولت دوراں، مظہر اللہ مفتی اعظم
تھا کرم کا وہ بحر بے پایاں، مظہر اللہ مفتی اعظم
آپ کی ذات کا ہے فیض رواں، مظہر اللہ مفتی اعظم

یا الہی ! مزار پاک ان کا تاابد نور سے رہے معمور

پہر دیں کے نیر تاباں ، مظہر اللہ مفتی اعظم

(پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش، میرپور خاص، سندھ)

ماخذ و مراجع

کتب

- ۱۔ مظہر الاخلاق — حیات مظہری — مطبوعہ ۱۹۶۸ء، کراچی
- ۲۔ مکاتیب مظہری — حیات مظہری — مطبوعہ ۱۹۶۸ء، کراچی
- ۳۔ فتاویٰ مظہری — حیات مظہری — مطبوعہ ۱۹۶۹ء، کراچی
- ۴۔ مواعظ مظہری — حیات مظہری — مطبوعہ ۱۹۷۰ء، کراچی
- ۵۔ حیات مظہری — مطبوعہ ۱۹۷۴ء، کراچی
- ۶۔ ارکان دین — حیات مظہری — مطبوعہ ۱۹۷۷ء، کراچی
- ۷۔ شیخ الاسلام — مطبوعہ ۱۹۹۶ء، کراچی
- ۸۔ مجدد ہزارہ دوم — مطبوعہ ۱۹۹۹ء، کراچی
- ۹۔ مفتی اعظم — (ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری) تقدیم، مطبوعہ ۲۰۰۱ء، کراچی
- ۱۰۔ باقیات مظہری — (مرتبہ محمد عبدالستار طاہر) تقدیم، مطبوعہ ۲۰۰۲ء، کراچی

رسائل

- ۱۱۔ مفتی اعظم — ماہنامہ ترجمان اہل سنت، کراچی ۱۹۷۶ء
- ۱۲۔ مفتی اعظم — ماہنامہ نور الحیب، بصیر پور ۱۹۷۸ء
- ۱۳۔ مفتی اعظم — ماہنامہ نور اسلام (خصوصی نمبر) ۱۹۷۹ء
- ۱۴۔ مفتی اعظم — ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور ۱۹۹۴ء

کتابیات

کتب

- ۱ داتا گنج بخش علی ہجویری: کشف المحجوب
- ۲ شاہ محمد مسعود، محدث دہلوی: نور العرفان (قلمی)
- ۳ شاہ محمد مسعود، محدث دہلوی: درۃ الیتیم فی القرآن العظیم مؤلفہ ۱۳۸۵ھ/۱۸۶۸ء
- ۴ محمد رکن الدین شاہ، علامہ: توضیح العقائد، مطبوعہ دہلی ۱۹۱۵ء
- ۵ سیٹھ احمد میمن: دہلی کی نئی مجلس اوقاف، مطبوعہ دہلی ۱۹۳۳ء
- ۶ امداد صابری، مولانا: علامہ سید سلیمان کی قرآنی غلطیاں، مطبوعہ بمبئی ۱۹۳۳ء
- ۷ دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۶ء
- ۸ نوائے آزادی، مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۷ء
- ۹ ظفر علی خاں، مولانا: چمنستان
- ۱۰ رحمان علی، مولانا: تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء
- ۱۱ راغب طباطبائی: تاریخ افکار و علوم اسلامی (ترجمہ اردو افتخار احمد بلخی) مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء
- ۱۲ رحیم بخش دہلوی: حیات ولی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء
- ۱۳ حیدر حسین علی پوری، سید: تذکرہ شہہ جماعت، مطبوعہ ۱۹۷۳ء
- ۱۴ امین الدین: صوفیائے نقشبند، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء
- ۱۵ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: گویا دبستان کھل گیا، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

اخبارات و رسائل

- ۱ روزنامہ السواد الاعظم، مراد آباد، شمارہ ۹ جولائی ۱۹۳۳ء
- ۲ روزنامہ وحدت، دہلی، شمارہ ۱۲ اگست ۱۹۳۸ء
- ۳ روزنامہ دبدبہ سکندری، رام پور، شمارہ ۱۴ فروری ۱۹۴۷ء
- ۴ روزنامہ دبدبہ سکندری، رام پور، شمارہ ۲۶ فروری ۱۹۴۷ء

- ۵۔ رونامہ دبدبہ سکندری، رام پور، شماره ۱۵ / مارچ ۱۹۴۷ء
- ۶۔ رونامہ دبدبہ سکندری، رام پور، شماره ۲۹ / جولائی ۱۹۴۷ء
- ۷۔ رونامہ دبدبہ سکندری، رام پور، شماره ۱۱ / نومبر ۱۹۴۸ء
- ۸۔ روزنامہ نئی روشنی، کراچی، شماره ۴ / نومبر ۱۹۶۶ء
- ۹۔ روزنامہ نئی روشنی، کراچی، شماره ۴ / دسمبر ۱۹۶۶ء
- ۱۰۔ روزنامہ جنگ، کراچی شماره ۲۶ / فروری ۱۹۶۷ء
- ۱۱۔ روزنامہ جنگ، کراچی شماره ۲۴ / اگست ۱۹۷۴ء
- ۱۲۔ ہفت روزہ الہام، بہاولپور شماره ۷ / جولائی ۱۹۷۳ء
- ۱۳۔ پندرہ روزہ غریب نواز، دہلی مفتی اعظم نمبر، شماره نومبر ۱۹۶۸ء
- ۱۴۔ ماہنامہ پاسبان، الہ آباد، شماره اگست ستمبر ۱۹۶۱ء
- ۱۵۔ ماہنامہ عقیدت، دہلی شماره جولائی ۱۹۶۳ء
- ۱۶۔ ماہنامہ عقیدت، دہلی شماره اگست ۱۹۶۳ء
- ۱۷۔ ماہنامہ المعارف، لاہور شماره نومبر ۱۹۶۷ء

مکتوبات مظہری

- ۱۔ بنام غلام قادر خاں، راولپنڈی، مرسلہ ۱۰ / ستمبر ۱۹۴۸ء
- ۲۔ جام بشیر احمد لاہور مرسلہ ۲۱ / فروری ۱۹۴۹ء
- ۳۔ بنام حافظ عبدالسمیع، ۲ / جون ۱۹۴۹ء
- ۴۔ بنام محمد احمد قریشی، لاہور مرسلہ یکم مئی ۱۹۵۱ء
- ۵۔ بنام قاری سید حفیظ الرحمن، بہاولپور مرسلہ ۲۰ / مئی ۱۹۵۱ء
- ۶۔ بنام محمد احمد قریشی، بلاہور مرسلہ ۱۸ / اکتوبر ۱۹۵۱ء
- ۷۔ بنام مفتی محمد محمود، حیدرآباد، سندھ، موصولہ یکم مئی ۱۹۵۲ء
- ۸۔ بنام مفتی محمد محمود، حیدرآباد، سندھ، مرسلہ ۱۹۵۲ء
- ۹۔ بنام محمد احمد قریشی، لاہور موصولہ ۷ / مئی ۱۹۵۳ء

- ۱۰۔ بنام حافظ محمد صالحین، کراچی مرسلہ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۳ء
- ۱۱۔ بنام حافظ محمد صالحین، کراچی مرسلہ ۱۶ جنوری ۱۹۵۳ء
- ۱۲۔ بنام ذکر الرحمن، کراچی موصولہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۶ء
- ۱۳۔ بنام سید نواب علی، حیدرآباد، مرسلہ ۱۷ جنوری ۱۹۵۷ء
- ۱۴۔ بنام ذکر الرحمن، کراچی مرسلہ ۱۸ مارچ ۱۹۵۷ء
- ۱۵۔ بنام حافظ عبدالمسیح، حیدرآباد، مرسلہ ۲۹ جولائی ۱۹۵۷ء
- ۱۶۔ بنام سید نواب علی، حیدرآباد، مرسلہ ۱۹۵۸ء
- ۱۷۔ بنام اختر حسین، کراچی موصولہ ۱۹ اگست ۱۹۶۰ء
- ۱۸۔ بنام اسلام الدین، لاہور مرسلہ ۱۳ دسمبر ۱۹۶۱ء
- ۱۹۔ بنام محمد احمد قریشی، لاہور مرسلہ ۲۶ فروری ۱۹۶۳ء
- ۲۰۔ بنام حاجی ضیاء الدین احمد، کراچی مرسلہ اکتوبر ۱۹۶۳ء
- ۲۱۔ بنام قاری سید حفیظ الرحمن، بہاولپور موصولہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۳ء
- ۲۲۔ بنام ذکر الرحمن، کراچی مرسلہ ۲۸ فروری ۱۹۶۶ء

دیگر مکتوبات

- بنام پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، محررہ:
- ۲۳۔ سردار جوگندر سنگھ از پٹیالہ، محررہ ۷ اگست ۱۹۶۸ء
- ۲۴۔ سردار جوگندر سنگھ از پٹیالہ، محررہ ۱۶ مئی ۱۹۶۹ء
- ۲۵۔ سیف الاسلام مولانا منور حسین از لاہور محررہ ۷ مئی ۱۹۷۴ء
- ۲۶۔ سیف الاسلام مولانا منور حسین از لاہور محررہ ۲۶ مئی ۱۹۷۴ء
- ۲۷۔ مفتی محمد مکرم احمد از دہلی، محررہ ۱۰ مارچ ۱۹۷۶ء

خُلقائے مظہری

شیخ الاسلام مفتی اعظم ہند

شاہ محمد مظہر اللہ

نقشبندی مجددی دہلوی ^{علیہ الرحمہ}
شاہی امام جامع مسجد فتحپوری دہلی

مُرَقَّبَةٌ

محمد عبدالستار طاہر

ادارۃ مسعودیہ کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

ادارہ مسعودیہ کی کتب ملنے کے پتے

۱۔ ادارہ مسعودیہ، ۲/۵، ای ناظم آباد، کراچی۔ فون 92-21-6614747

۲۔ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز۔ ضیاء منزل (شوگن مینشن) آف محمد بن قاسم

روڈ، کراچی فون نمبر 2633819-2213973

۳۔ محمد عارف و عبدالراشد مسعودی۔ اسٹاکسٹ ادارہ مسعودیہ کراچی

شاپ نمبر B-2 سرخج منزل امام بارگاہ اسٹریٹ نزد کچھی میمن مسجد بالمقابل گل ف

ہوٹل صدر کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 021-5217281

موبائل: 0320-5032405

۴۔ مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، پولیس چوکی محلہ فرقان آباد،

کراچی نمبر ۵، فون: 4910584-4926110

۵۔ ضیاء القرآن۔ 14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2630411-2210212

۶۔ فرید بک اسٹال، ۳۸۔ اردو بازار لاہور، فون نمبر۔ 042-7224899

۷۔ مکتبہ الجامعہ نقشبندیہ بستان العلوم۔

کڈہالہ (مجاہدہ آباد)، آزاد کشمیر براستہ گجرات، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔

۸۔ گلوبل اسلامک مشن 355 والنٹ اسٹریٹ سویٹ ۲ یونکرس، نیویارک 10701،

P.O.Box:1515 ٹیلیفون: (914)709-1705 فیکس: (914)709-1593

۹۔ جناب منیر حسین مسعودی، 46، ہولی لین، سمیتھوک، ویسٹ ڈیلینڈز B67 7JD،

انگلینڈ، U.K۔

ادارہ مسعودیہ

بازار محرابی اور شاہی

ابوالسور محمد مسعودی
جاوید اقبال مظہری

ای۔ ۵۰۶۷۲، ناظم آباد کراچی، سندھ،
اسلامی جمہوریہ پاکستان
(۲۰۰۵/۲۰۰۶)

محراب

بازار محرابی اور شاہی

ادارہ مسعودیہ

ای۔ ۵۰۶۷۲، ناظم آباد کراچی، سندھ،
اسلامی جمہوریہ پاکستان



کراچی اور شاہی مرکز کموالات

بازار محرابی اور شاہی

ادارہ مسعودیہ

ای۔ ۵۰۶۷۲، ناظم آباد کراچی، سندھ،
اسلامی جمہوریہ پاکستان

حضرت مسعود ملت

انکار علیہ

صاحبزادہ ابوالسور محمد مسعودی
مدیر ایسی

ادارہ مسعودیہ
ای۔ ۵۰۶۷۲، ناظم آباد کراچی، سندھ،
اسلامی جمہوریہ پاکستان

IDARA-I-MAS'UDIA KARACHI
Islamic Republic Of Pakistan

Designed by: AL-HADI GRAPHICS 0300-2196467

ادارہ مسعودیہ

بازار محرابی اور شاہی

ابوالسور محمد مسعودی
جاوید اقبال مظہری

ای۔ ۵۰۶۷۲، ناظم آباد کراچی، سندھ،
اسلامی جمہوریہ پاکستان
(۲۰۰۵/۲۰۰۶)

ادارہ مسعودیہ

محراب

بازار محرابی اور شاہی

ادارہ مسعودیہ

ای۔ ۵۰۶۷۲، ناظم آباد کراچی، سندھ،
اسلامی جمہوریہ پاکستان



کراچی اور شاہی مرکز کموالات

بازار محرابی اور شاہی

ادارہ مسعودیہ

ای۔ ۵۰۶۷۲، ناظم آباد کراچی، سندھ،
اسلامی جمہوریہ پاکستان

حضرت مسعود ملت

انکار علیہ

صاحبزادہ ابوالسور محمد مسعودی
مدیر ایسی

ادارہ مسعودیہ
ای۔ ۵۰۶۷۲، ناظم آباد کراچی، سندھ،
اسلامی جمہوریہ پاکستان

IDARA-I-MAS'UDIA KARACHI
Islamic Republic Of Pakistan

Designed by: AL-HADI GRAPHICS 0300-2196467